فرائڈ

نظریۂ تحلیلِ نفسی

ڈاکٹر نعیم احمد

علی نعیم کے نام ...!

فہرست

زما گرم است این ہنگامہ، بنگر شورِ ہستی را
قیامت می دمد از پردۂ خاکے کہ انساں شد

غالبؔ

پیش لفظ

کہا جاتا ہے کہ انسانیت کو تین شدید دھچکے لگے ہیں۔ پہلا دھچکا کوپرنیکس نے لگایا۔ کوپرنیکس سے پہلے یہ نظریہ عام تھا کہ ہماری زمین ساری کائنات کا مرکز ہے جس کے گرد سورج، چاند اور دیگر سیارے گھومتے ہیں۔ لیکن کوپرنیکس کی علمی تحقیق نے یہ ثابت کر دیا کہ زمین تو ایک چھوٹا سا سیارہ ہے جو کہ سورج کے گرد گھومتا ہے۔ اس طرح لوگوں کے ''زمین مرکزی'' (Geocentric) رجحان کو شدید دھچکا لگا۔ دوسرا دھچکا ڈارون نے لگایا۔ لوگ جہاں زمین کو مرکز کائنات سمجھتے تھے، وہیں انسان کو بھی اشرف المخلوقات کی حیثیت سے کائنات کا مرکز و محور سمجھتے تھے۔ ڈارون کا یہ کہنا کہ انسان کمتر جانوروں کی ارتقا یافتہ شکل ہے، انسانیت کے لیے دوسرا دھچکا ثابت ہوا جس کا علمی اور مذہبی حلقوں میں شدید ترین ردِ عمل ہوا۔ انسانیت کو تیسرا دھچکا فرائڈ کے نظریۂ تحلیلِ نفسی نے لگایا۔ فرائڈ کی علمی کاوشوں سے نفسِ انسانی کی عمیق ترین تہوں کا سراغ ملا اور جنسیت کو انسانی کردار کی قوتِ محرکہ قرار دیا گیا۔ فرائڈ سے قبل جنسیت کو شر اور گناہ کی مصدر و منبع سمجھا جاتا تھا۔ اور روحانی اور اخلاقی ترقی کے لیے جنسی داعیات کی نفی کو ضروری سمجھا جاتا تھا۔ اس کا عملی ثبوت اس دور کی راہبانہ تعلیمات میں ملتا ہے جن کی رُو سے تجرد کی غیر فطری زندگی کو مذہبی اعتبار سے مستحسن سمجھا جاتا تھا۔ لیکن اس کا نتیجہ بجائے روحانی ترقی کے اخلاقی و سماجی انحطاط کی صورت میں ظاہر ہوا۔ قرونِ وسطیٰ کے متعصّبانہ ذہنی رویوں کے لیے فرائڈ کا نظریہ ایک بہت بڑا صدمہ تھا۔

آج کا انسان بُنیادی طور پر شک کرنے والا ہے۔ اسے مشینی زندگی کے

معمولات نے اپنی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے، تاہم وہ آزادی کی شدید خواہش رکھتا ہے۔ علمی و تحقیقی جبلت اسے ایک ایسے صحرا میں لے آئی ہے جہاں اس کے سر سے عقیدے کا سائبان غائب ہو گیا ہے اور اس کے سامنے آسمانی رشد و ہدایت کا نشانِ منزل بھی گم ہو گیا ہے۔ تنہائی، کرب، مغائرت اور تشکیک کے شکار جدید انسان کی ذہنی تشکیل میں جہاں اور بہت سے عوامل کارفرما ہیں، وہیں فرائڈ کے نظریۂ تحلیل نفسی کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے۔

مشہور سقراطی مقولے Know Thyself کے اتباع میں بہت سے شاعروں، ادیبوں اور مفکروں نے نفس انسانی کی گہرائیوں کا اندازہ لگانے کی کوشش کی، لیکن فرائڈ وہ پہلا مفکر ہے جس نے خالص علمی اور سائنسی نقطہ نظر سے انسانی فطرت میں جاری و ساری شورش آسا نفسی قوتوں کو ایک واحد مربوط اور معروضی نظامِ فکر میں سمونے کی کوشش کی۔ اگرچہ جدید نفسیات بہت ترقی کر چکی ہے اور فرائڈ کے کئی نظریات کو رد کیا جا چکا ہے، تاہم اس امر سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ نفسیات کے متعدد دھارے فرائڈ کے نظامِ فکر سے ہی پھوٹے۔ اس کی اصطلاحات، منہاج اور نفسیاتی بصیرت نے ہی علمِ نفسیات کے لیے ترقی کی مختلف راہیں کھولیں۔ چنانچہ فرائڈ کے نظریات اگرچہ آج کے دور میں کلاسیکی بن چکے ہیں، تاہم ان کی علمی و تحقیقی حیثیت بدستور مسلمہ ہے۔

اُردو زبان میں فرائڈ کے بارے میں متفرق مضامین یا اس کے کسی فکری پہلو کے متعلق مختصر اشارے مل جاتے ہیں۔ لیکن اس کے نظامِ فکر کو سائنسی معروضیت کی ساتھ پیش کرنے کی شاید اب تک کوئی سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی۔ زیرِ نظر کتاب اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے تحریر کی گئی ہے۔ اُردو زبان کو فنی اور سائنسی زبان بنانے کی کوششیں جاری ہیں، لیکن اصطلاحات اور تکنیکی تصورات کو اُردو کے قالب میں ڈھالتے ہوئے قدم قدم پر اس کی تنگ دامانی احساس ہوتا ہے۔ اس لیے زیرِ نظر کتاب میں اُردو اصطلاحات کے ساتھ ساتھ ان کے انگریز مترادفات بھی دیے گئے ہیں اور بعض تصورات کی تشریح حواشی میں کر دی گئی ہے۔ قارئین کی مزید سہولت کے لیے ایک فرہنگ اصطلاحات بھی دے دی گئی ہے۔

اس کتاب کی تیاری میں فرائڈ کی بعض اپنی تصنیفات کے علاوہ دیگر کتب سے

بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے نظامِ فکر کے خدوحال کو اُجاگر کرنے کے لیے ڈاکٹر وِس کی ''ڈیتھ سایئکالوجی'' اور کیلون ایس ہال کی ''اے پرائمر آف فرائڈین سایئکالوجی'' کو خصوصی طور پر مدنظر رکھا گیا ہے۔

میں اُمید کرتا ہوں کہ قارئین اس کاوش کو پسند کریں گے اور مجھے اپنی قیمتی آرا سے نوازیں گے۔ مجھے شکریہ ادا کرنا ہے ڈاکٹر عبدالخالق صاحب اور ڈاکٹر غزالہ عرفان کا جن سے تبادلۂ خیال میرے لیے نہایت خیال افروز ثابت ہوتا رہا ہے۔

ڈاکٹر نعیم احمد

مئی 1994ء

نیو کیمپس، یونیورسٹی آف دی پنجاب، لاہور

تعارف

سگمند فرائڈ علوم کی تاریخ میں بہت ہی بلند مقام رکھتا ہے۔ اس نے سائنسی تحقیق کا دائرہ کار طبیعی و نامیاتی دُنیا سے بڑھا کر انسانی ذہن، رویوں اور برتاؤ تک پھیلا دیا۔ فرائڈ نے اس حقیقت کو تسلیم کیا کہ سائنس کا اطلاق کائنات کی ہر شے اور مظہر پر کیا جا سکتا ہے۔ یوں تو انسانی فکر و تصورات انسانی رویوں اور برتاؤ کے بارے میں مفکرین نے مخصوص تصورات پیش کیے ہیں لیکن ان نظریات پر عموماً اخلاقیات اور مذہبی مبلغین کی سوچ کی چھاپ رہی ہے۔ ان تصورات کی بُنیاد یا تو قیاس آرائیوں پر یا عمومی مشاہدات کی بنا پر کی جانے والی تعمیمات ہوا کرتی تھی۔ اخلاقیات روایات اور مذہب کے مبلغ انسانی رویوں اور برتاؤ کو رائج الوقت اخلاقیات کی کسوٹی اور معیار کے مطابق معیوب یا احسن گردانتے ہیں۔

فرائڈ انسانی رویوں اور برتاؤ کے بارے میں پہلے ہی کوئی حتمی رائے قائم کرنے کے بجائے انہیں سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ غیر معمولی انسانی رویوں اور برتاؤ کا طالب علم ہے۔ اس نے حسد، رقابت، محبت، نفرت، خوف، دہشت، ندامت، پشیمانی، علامت اور اس طرح کے رویوں کا مطالعہ کیا۔ اس کے مطالعے کی بُنیاد وہ مریض تھے جو اس کے پاس علاج کے لیے آیا کرتے تھے۔ ان مریضوں کی اکثریت پہلی جنگ عظیم سے پہلے کی وی آنا کی فیشن ایبل سوسائٹی کی خواتین تھیں۔ اس بنا پر اکثر اعتراض کیا جاتا ہے کہ فرائڈ کے مشاہدات ایک محدود گروہ سے متعلق تھے اور ان مشاہدات کی بنا پر سارے انسانوں کے رویوں اور برتاؤ کے بارے میں تعمیمات نہیں کی جا سکتیں۔ یہ ایک

درست اعتراض ہے لیکن فرائد کی اہمیت اس بنا پر ہے کہ اس نے انسانی برتاؤ کے سائنسی مطالعے کی ابتدا کی۔ اس طرح گویا اس نے ایک نیا براعظم دریافت کیا۔ یہ انسانی ذہن، شخصیت، برتاؤ اور رویوں کا براعظم ہے۔ یہ درست ہے کہ انجانے راستوں پر پہلے چلنے والوں کی طرح فرائڈ نے بھی غلطیاں کیں لیکن اس کے بعد آنے والے محققین نے ان کی اصلاح کر دی ہے۔

اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ فرائڈ اپنے مشاہدات کی توجیہ ہمیشہ معروضی حقیقتوں سے ہی کیا کرتا تھا۔ لیکن ان معروضی حقیقتوں کو بیان کرنے کے لیے اس نے ایسے تصوراتی اجزا، اڈ، ایگو، سُپر ایگو وغیرہ سے کی جن کی تجربی توثیق نہیں کی جا سکتی۔ اس کے باوجود فرائڈ ان کی مدد سے اپنے مریضوں کا علاج کرنے میں کامیاب رہا۔ فرائڈ نے اپنے نظریات کے اطلاق میں مناسب احتیاط برتی اور تجربی طریقہ کار کو برقرار رکھا۔ لیکن اس کے بہت سے پیروکاروں نے اس کے تصورات کو جامع بنا کر متشددانہ رویہ اختیار کیا جو فرائڈ کی تحلیلی نفسیات کے لیے بارآور ثابت نہیں ہوا۔

زندگی کے آخری برسوں میں فرائڈ نے اپنے نظریات کا اطلاق مذہبیات اور علم انسانیات (Anthropolog) پر کرنے کی کوشش کی۔ اس ضمن میں اس کی توجیہات سراسر دیومالائی ہو گئیں۔ اس کے چند پیروکاروں یونگ اور ایڈلر نے اس جہت کو اور آگے بڑھایا۔ لیکن اب فرائڈ کی ان توجیہات اور یونگ کے نظریات کی اہمیت نہیں رہی ہے۔

ابتدا میں فرائڈ کی تحلیلی نفسیات کی بڑے ہسٹیر یائی اور متشددانہ انداز میں مخالفت ہوئی۔ مخالفین میں وہ حلقے پیش پیش تھے جو درمیانہ طبقے کی اخلاقیات کی علم بردار تھے۔ پہلی عالمی جنگ کی تباہ کاریوں اور جنگ کے دوران میں ہونے والی سماجی ٹوٹ پھوٹ نے فرائڈ کے نظریات کو بڑی تیزی سے بڑھاوا دیا اور انہوں نے کسی نہ کسی شکل میں دانشوروں کے حلقے میں مذہب کی سی اہمیت حاصل کر لی۔ فرائڈ کے نظریات کی کامیابی کی وجہ مبصرین اس دور کے معروضی حالات کو دیتے ہیں۔ اس دَور میں سماجی عدم تحفظ ایک حقیقت بن چکا تھا۔ چونکہ فرائڈ کے نظریات انسانی ذہن کے غیر عقلی اور ابتدائی پسماندہ (primitive) پہلوؤں کی خفتہ اہمیت پر زور دیتے ہیں اسی لیے وہ انسانوں کے لیے سماجی مسائل سے عہدہ برآ نہ ہونے کی ایک توجیہ اور ایک عملی بہانہ (excuse) فراہم

کرتے ہیں۔ فرائڈی نفسیات کا لب لباب یہ ہے کہ انسان بُنیادی طور پر اپنی لاشعوری جبلتوں کا غلام ہے، جو پیدائش سے پہلے ہی اس میں داخل کر دی جاتی ہیں اور جن کو اولین بچپنے میں بڑھاوا ملتا ہے، اس لیے وہ اپنے برتاؤ کا ذمہ دار نہیں۔

فرائڈ کی اہمیت ایک اور لحاظ سے بھی بہت زیادہ ہے۔ اس کے نظریات نے ایک بڑا (liberating) کردار ادا کیا ہے۔ عیسائیت میں ''گناہِ اوّل'' پر یقین، ایمان کا ایک لازمی جزو ہے۔ فرائڈ کہتا ہے کہ عیسائی دُنیا میں یہ ''تصور'' بہت سی نفسیاتی اُلجھنیں پیدا کرتا ہے۔ فرائڈ کی نفسیات نے ''گناہِ اوّل'' کے اس تصور سے چھٹکارا پانے کا جواز فراہم کیا اور بچوں اور جنس کے بارے میں نسبتاً آزادانہ اور زیادہ رحم دلانہ رویوں کو فروغ دیا۔

اُنیسویں صدی علوم کی تاریخ میں عہد ساز صدی ہے۔ اس صدی میں نہ صرف طبیعی و حیاتیاتی دُنیا کے بارے میں علوم اپنے عروج پر پہنچے بلکہ سماجی سائنس کے بہت سے نئے علوم جیسے سماجیات، انسانیات، اور نفسیات باقاعدہ علوم کی شکل میں اُبھرے۔ اُنیسویں صدی میں ہی گزشتہ صدیوں کی دیومالائی اور غیر سائنسی سوچ کے ردعمل میں اثباتیت کا نظریہ اُبھرا جس کے مطابق سائنسی نظریات میں کسی ایسے جزو کو شامل نہیں کرنا چاہیے جس کی تجربی توثیق نہ کی جا سکے۔ اثباتی فکر تنقیدی رویے کے طور پر ایک بہت مثبت کردار ادا کرتی ہے اور سائنسی افکار سے غیر سائنسی افکار کی تطہیر کے لیے اس کا کردار مثالی ہے۔ لیکن معروضی مشاہدات کی توجیہہ کے لیے اثباتی فکر بعض اوقات ایک رُکاوٹ بن جاتی ہے۔ ایک مشہور اثباتی مفکر و طبیعیات دان ''ماخ'' اس بنا پر سائنس میں ''ایٹم'' کے تصور کے استعمال کا مخالف تھا کہ ''ایٹم'' دیکھے نہیں جا سکتے۔ لیکن سائنس دانوں کی اکثریت ایٹموں کے تصور کو بڑی کامیابی سے اپنے مشاہدات کی توجیہہ کے لیے استعمال کرتی رہی ہے اور اُنیسویں صدی کے اواخر تک ایٹموں کی حقیقت کی تجربی توثیق بھی ہو گئی۔ اس لیے اگر اثباتی سوچ کے زیرِ اثر ایٹمی مفروضے پر مبنی نظریات کو رد کر دیا جاتا تو طبعی سائنس کی ترقی رُک جاتی۔ آئن سٹائن نے اثباتیت کے فلسفے کے پیروکاروں کے بارے میں بڑا دلچسپ جملہ کہا ہے: ''اثباتیت پسند دُنیا کا ایک کیٹلاگ (catalogue) بنانا چاہتے ہیں، میں دُنیا کا ماڈل بنانا چاہتا ہوں۔'' فرائڈ بھی اسی طرح انسانی ذہن،

رویوں اور برتاؤ کا ماڈل بنانا چاہتا تھا۔ فرائڈ کے بعد آنے والے محققین نے انسانی ذہن اور برتاؤ کو سمجھنے کے لیے اپنی تحقیقات کو بہت وسعت دی ہے اور انسانی ذہن اور برتاؤ کو سمجھنے میں بہت کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ اس راہ پر چلنے والا پہلا سائنس دان سگمنڈ فرائڈ ہی تھا۔

ڈاکٹر نعیم احمد قابل تعریف ہیں کہ انہوں نے سگمنڈ فرائڈ کی شخصیت اور افکار کو اُردو زبان کے قارئین تک پہنچانے کے لیے ایک قابل قدر کام کیا ہے۔ ادارہ ''مشعل'' تحسین کا مستحق ہے کہ اس نے اس کتاب کی اشاعت کا بندوبست کیا۔

ڈاکٹر سیمیں عالم

۴ جولائی ۱۹۹۴ء، لاہور

پہلا باب

حالاتِ زندگی اور ذہنی نشو ونما

تحلیلِ نفسی کا بانی سگمنڈ فرائڈ (Sigmund Freud) 6 مئی 1856ء کو موراویا (Moravia) موجودہ چیکوسلواکیہ کے ایک قصبے فرائبرگ (Freiberg) میں پیدا ہوا۔ (1) فرائبرگ کی کل آبادی چند ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔ وہ گھر جس میں فرائڈ پیدا ہوا متوسط طبقے کا ایک عام سا دو منزلہ مکان تھا۔ فرائڈ کا باپ جیکب فرائڈ کپڑے کا ایک معمولی تاجر تھا۔

جب فرائڈ پیدا ہوا تو اس کا باپ جیکب فرائڈ اکتالیس سال کا تھا۔ وہ ایک جفاکش اور قدرے درشت طبیعت کا مالک انسان تھا جو گھر میں اپنا حکم منوانے کا عادی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدا سے ہی فرائڈ کے ذہن میں باپ کا تصور خوف، دہشت اور تحکم کی علامت کے طور پر نقش ہو گیا اور تمام عمر قائم رہا۔ جوان ہو کر بھی فرائڈ کو وہ واقعہ اکثر یاد آتا تھا جب وہ بہت چھوٹا تھا اور ایک دن ڈگمگاتے قدموں سے باپ کے کمرے میں داخل ہو گیا تھا تو اس کے باپ نے اسے بُری طرح ڈانٹ ڈپٹ کر باہر نکال دیا تھا۔ حساس فرائڈ کے لیے باپ کا تحکمانہ رویہ اتنا خوفناک تھا کہ دو سال کی عمر تک اکثر بستر پر اس کا پیشاب نکل جاتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ فرائڈ اپنے باپ کے کردار کے اچھے پہلوؤں کا بھی تذکرہ کرتا ہے۔ مثلاً وہ کہتا ہے کہ کبھی کبھی میرا باپ مجھے سیر کرانے قریبی جنگل میں لے جاتا تھا اور مجھ سے میٹھی میٹھی باتیں کرتا تھا، لیکن بحیثیت مجموعی اس نے باپ کا جو اثر قبول کیا وہ خوف اور تحکم کا تھا۔

اس کی خاندانی صورت حال کو پیچیدہ بنانے والے دو اسباب تھے۔ فرائڈ کی

ماں ایمیلیا (Amelia) اس کی پیدائش کے وقت صرف اکیس برس کی تھی۔ اس طرح وہ اس کے باپ سے عمر میں بیس برس چھوٹی تھی۔ ادھیڑ عمر کا باپ سارا دن روزی کمانے کی مشقت میں لگا رہتا تھا اور جب تھکا ہارا گھر آتا تھا تو وہ ایسے جذبات کا اظہار نہ کر پاتا جو ایمیلیا کی عمر کی مناسبت سے شاید کوئی نوجوان شوہر کر سکتا۔ ایمیلیا فرائڈ کے لیے سراپا شفقت اور محبت تھی اور اس کی چھوٹی بڑی ہر خواہش کی تکمیل کی حتی المقدور کوشش کرتی۔ لیکن اس کے برعکس باپ بات بات پر جھڑکتا اور ٹوکتا رہتا تھا۔ فرائڈ کی ابتدائی خاندانی صورت حال کو اُلجھانے والا دوسرا سبب اس کا سوتیلا بھائی ایمنیویل تھا ایمنیویل جیکب فرائڈ کی پہلی بیوی کا بیٹا تھا اور عمر میں فرائڈ سے بہت بڑا تھا۔ ایمنیویل کا بیٹا جان فرائڈ کا ہم عمر تھا، اس طرح اس کے کھیل کا ساتھی۔ عمر کی مناسبت سے وہ بجائے بھائی کے بھتیجا تھا۔ لیکن باپ کی نظر میں فرائڈ کی بجائے جان کی زیادہ اہمیت تھی۔ لڑائی جھگڑے کی صورت میں بھی وہ ہمیشہ جان کی حمایت کرتا تھا۔ ایمنیویل کے علاوہ فرائڈ کا ایک اور سوتیلا بھائی فلپ بھی تھا جو ایمنیویل سے تین سال چھوٹا تھا۔

فرائڈ کے اگرچہ پانچ چچا تھے لیکن ان میں سے وہ صرف ایک یعنی جوزف کا ہی نام لے کر تذکرہ کرتا ہے۔ شاید نام جوزف اس کی زندگی میں بہت اہمیت رکھتا تھا۔ اس نے طالبعلمی کا زمانہ (1875-1883ء) وی آنا کے کیسر جوزف سٹراس میں گزارا۔ جوزف پینتھ (Joseph Paneth) اس کا دوست تھا جس کا تذکرہ وہ اپنی کتاب ”خوابوں کی تعبیر“ میں کرتا ہے۔ جوزف برائر (Joseph Breur) وہ اہم شخصیت تھی جس نے فرائڈ کو تحلیل نفسی کی راہ دکھائی۔ جوزف پاپر لنکیس کے زیر اثر اس نے خوابوں کی اہمیت سے آگاہی حاصل کی۔ ان کے علاوہ بائبل کا جوزف جو کہ خوابوں کی تعبیر کا ماہر ہے ... فرائڈ کے لیے بہت اہمیت رکھتا تھا اور شاید فرائڈ خود کو اسی کا شریک کار سمجھتا تھا۔(2)

فرائڈ کے گھر میں اس کی دایہ نینی بھی ایک خاص مقام رکھتی تھی۔ اس کے ذمہ گھر کی دیکھ بھال اور صفائی وغیرہ تھی۔ یہ ایک موٹی اور بھدی عورت تھی جو تندخو ہونے کے ساتھ ساتھ محبت کرنے والی تھی۔ بات بات پر ٹوکنا اور جھڑکنا شاید اس کی پیشہ وارانہ مجبوری تھی۔ وہ رومن کیتھولک تھی اور اکثر فرائڈ کو قریبی گرجا گھر لے جایا کرتی تھی۔ جنت، دوزخ، حشر نشر اور خدا کے تصورات اسی نے فرائڈ کے ذہن میں راسخ کیے۔ گرجا

سے واپسی پر فرائڈ اکثر مذہبی امور پر پادریوں کی طرح وعظ کرنے کی کوشش کرتا۔

فرائڈ کا باپ جیکب فرائڈ گھر کے اندر سخت قسم کے نظم و ضبط کا قائل تھا۔ بات بات پر وہ مذہبی احکام کے حوالے دیتا تھا۔ حضرت موسیٰؑ کے احکام عشرہ میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اپنے باپ کا احترام کرو۔ اس حوالے سے وہ اپنے گھر میں مطلق العنان حاکم بنا ہوا تھا۔ فرائڈ نے ناک نقشہ اور قد کاٹھ اپنے باپ جیسا ہی پایا تھا۔ فرائڈ کے لیے باپ جہاں سخت گیری، تحکم اور خوف کی علامت تھا، وہیں وہ طاقت علم اور دانش مندی کا سرچشمہ بھی تھا۔ اس کے خیال میں اس کا باپ ساری دُنیا میں عقل مند ترین اور طاقت وَر ترین شخص تھا۔ اس کے برعکس ماں ایمیلیا اس کے لیے نہ ختم ہونے والی محبت اور شفقت کا سرچشمہ تھی ایمیلیا بھی عام عورتوں سے بڑھ کر اپنے پہلوٹھی کے بیٹے سے پیار کرتی تھی۔ بعض ناقدین کے نزدیک فرائڈ کا باپ اس کے لیے قانونِ حقیقت (Reality Principle) کا ماخذ ہے اور ماں اصول لذت (Pleasure Principle) کی۔

فرائڈ ابھی تقریباً انیس ماہ کا ہی تھا کہ اس کا دوسرا بھائی جولیس پیدا ہوا۔ جولیس تقریباً آٹھ ماہ بعد فوت ہو گیا۔ لیکن اس کی آمد اور رُخصت کا تجربہ فرائڈ کے ذہن پر انمٹ نقوش ثبت کر گیا۔ جولیس کی پیدائش سے قبل فرائڈ اپنی ماں کی بے انتہا محبت کا بلا شرکت غیرے مالک تھا۔ یہ امر بھی بہت اہم ہے کہ ایمیلیا فرائڈ کو اپنا دودھ پلاتی تھی۔ جولیس کی پیدائش کی بعد فرائڈ حسد اور ایک قسم کے عدم تحفظ کا شکار ہو گیا۔ فرائڈ خود لکھتا ہے کہ وہ نومولود کے خلاف طرح طرح کی باتیں سوچا کرتا تھا۔ اس نے تقریباً بیس سال بعد اپنے اس تجربہ کی تشریح کی کہ کس طرح بہت چھوٹی عمر میں ہی بچے کا ذہن دوسرے بہن بھائیوں کی موجودگی میں حسد اور رقابت کا شکار ہو جاتا ہے۔ جولیس سے رقابت اور حسد کے بعد فرائڈ کا ذہن اس کی موت سے بُری طرح متاثر ہوا۔ اپنے معاندانہ خیالات کی وجہ سے اس کے اندر ضمیر کی ملامت اور ندامت و پشیمانی کے جذبات بھی پیدا ہو گئے۔ بہرحال ننھے فرائڈ کے ذہن پر شروع سے ہی محبت، رقابت، پیدائش اور موت جیسے مسائل نے ایسے گہرے نقوش ثبت کیے کہ وہ تمام عمر ان کا حل ڈھونڈتا رہا۔

فرائڈ کے گھر میں رشتوں کا تانا بانا اتنا اُلجھا ہوا تھا کہ وہ اس کی کوئی توجیہہ نہیں کر پاتا تھا۔ اس کی خوبصورت اور کم عمر ماں ایمینویل کی ہم عمر تھی۔ اس لحاظ سے

اُصولی طور پر اسے ایمنیو یل کی بیوی ہونا چاہیے تھا۔ اس کے باپ کی بیوی دراصل فرائڈ کی دایہ کو ہونا چاہیے تھا۔ اس کا بھائی ایمنیو یل یا فلپ کی بجائے جان کو ہونا چاہیے تھا جو کہ اس کا بھتیجا تھا۔ جان فلپ کو دادا کہتا تھا اور فرائڈ کا خیال تھا کہ فلپ کو اس کا بھی دادا ہونا چاہیے تھا۔

فرائڈ ابھی رشتوں کی اس پیچیدگی میں ہی اُلجھا ہوا تھا کہ اسے ایک اور جذباتی صدمہ اُس وقت پہنچا جب اس کی ماں نے ننھی اینا (Anna) کو جنم دیا۔ ابھی جولیس کے لگائے ہوئے زخم تازہ تھے کہ اس کی محبت پر ڈاکہ ڈالنے اینا آ گئی۔ اینا کی آمد سے فرائڈ کا جذبہ حسد و رقابت عروج کو پہنچ گیا۔ اس صورت حال میں دایہ ایک دن اچانک غائب ہوگئی۔ دایہ کون تھی؟ کہاں چلی گئی؟ فرائڈ کو اس کا جواب نہ مل سکا۔ اپنے طور پر فرائڈ نے یہ سوچ لیا کہ دایہ کو ایمنیو یل نے چوری کرتے پکڑ لیا تھا اس لیے جیل بھجوا دیا ہے۔

وقت کے ساتھ ساتھ جیکب فرائڈ کی افرادِ خانہ سے دوری بڑھتی گئی۔ فرائڈ نے خود بھی اپنے آپ کو اسی اُلجھی ہوئی صورتِ حال کا خوگر بنا لیا۔ اینا سے بھی اس نے مصالحانہ رویہ اختیار کیا۔ اینا کے بعد روزا آئی۔ اس بہن سے فرائڈ کو قدرتی طور پر لگاؤ پیدا ہو گیا۔ روزا کے بعد ڈولفی آئی۔ اسے بھی فرائڈ نے ذہنی طور پر قبول کر لیا۔ اب فرائڈ نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ اس کے کنبے میں تین نسلوں کا اجتماع ہو گیا ہے۔ اس اجتماع مین اس کی ماں مرکزی کردار رکھتی تھی اور ماں سے غیر معمولی وابستگی ہی اس کے مشہورِ زمانہ ایڈی پس اُلجھاؤ (Oedipus Complex) کی بُنیاد بنی۔

فرائیبرگ کے قصبے کا ماحول بھی فرائڈ کی ابتدائی ذہنی نشوونما پر بڑا اثر انداز ہوا۔ فرائیبرگ کا لغوی معنی ہے "آزاد پہاڑ"۔ وہ سلیشا (Silesia) کی سرحد کے ساتھ جنوب مشرقی موراویا کا ایک پُرسکون قصبہ ہے اور وی آنا (Vienna) سے 150 میل دور شمال مشرق میں واقع ہے۔ قریب سے ہی ایک دریا گزرتا ہے جو گرمیوں میں سوکھ جاتا ہے لیکن بارش کے دنوں میں سیلاب لے کر آتا ہے۔ نواحی علاقے میں ایک جنگل بھی تھا جس میں فرائڈ اکثر اپنے باپ کے ساتھ سیر کرنے جایا کرتا تھا۔ فرائیبرگ میں زیادہ تر رومن کیتھولک آباد تھے۔ تھوری سے تعداد پروٹسٹنٹ عیسائیوں کی بھی تھی۔ یہودی آبادی بمشکل دو فیصد تھی۔ فرائڈ اور اس کا خاندان یہودی ہونے کے ناتے اس ماحول میں

اجنبیت محسوس کرتا تھا۔ خاص طور پر جب شہر کے وسط میں واقع گرجا گھر کی گھنٹیاں بجتیں اور گھر کے افراد اساس پر نفرت کا اظہار کرتے تو ننھے فرائڈ کے احساسِ مغائرت میں اضافہ ہو جاتا۔ وہ جس دھرتی پر پیدا ہوا تھا، اس کے مکین جن رسوم و رواج کے پابند تھے انہیں اپنانا اس کے لیے ممنوع تھا۔

سیاسی حالات کی تبدیلی کی وجہ سے یہودی زیرِ عتاب آ گئے۔ صنعتی انقلاب نے دستکاری کی معیشت کو دھچکا لگایا۔ جیکب فرائڈ کے معاشی حالات بہت خراب ہو گئے کیوں کہ وہ کھڈیوں پر کپڑا تیار کیا کرتا تھا۔ ان حالات میں ایمنویل اپنے بھائی فلپ اور بیوی بچوں کے ساتھ مانچسٹر کی طرف ہجرت کر گیا۔ خود جیکب فرائڈ کو اپنا اور اپنے بچوں کا مستقبل فرائیبرگ میں مخدوش نظر آنے لگا۔ چنانچہ وہ لیپزگ (Leipzig) کی طرف نقل مکانی کر گیا۔ اس وقت فرائڈ کی عمر صرف تین برس تھی۔ یہاں جیکب فرائڈ نے صرف ایک سال قیام کیا اور بچوں کی بہتر تعلیم و تربیت کے لیے وی آنا منتقل ہو گیا۔ اس دوران میں فرائڈ نے پہلی بار ٹرین کا سفر کیا اور اس کے ساتھ ہی اس کے دل میں بذریعہ ٹرین سفر کا خوف (Phobia) پیدا ہو گیا جس میں وہ تقریباً بارہ سال (1887 سے 1899ء تک) مبتلا رہا۔ بعد ازاں اس نے نفسی تحلیل کے ذریعے اس سے نجات حاصل کی۔ لیپزگ سے وی آنا آنے کے درمیانی وقفہ میں فرائڈ نے ایک دفعہ اپنی ماں کو برہنگی کی حالت میں دیکھ لیا تھا جس کا ذکر اس نے اپنے ایک دوست کے نام خط میں بھی کیا ہے۔ لیکن یہ خط اس نے لاطینی زبان میں لکھا ہے۔ اس واقعہ سے بھی اس کا ذہن بُری طرح متاثر ہوا۔ لیکن یہ ایک عجیب بات ہے کہ فرائڈ نے اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ تب اس کی عمر دو برس تھی جبکہ اُصولاً اسے اس وقت چار برس کا ہونا چاہیے تھا۔

فرائڈ کی تعلیمات کی رُو سے سیرت و کردار کے اساسی رُجحانات تین چار برس کی عمر تک قطعی اور حتمی طور پر متعین ہو جاتے ہیں اور بعد میں وقوع پذیر ہونے والے حالات و واقعات اور تعلیم و تربیت ان میں تھوڑا بہت ترمیم و اضافہ کرتے ہیں، تاہم ان رُجحانات کی نوعیت تبدیل نہیں کر سکتے۔ فرائڈ نے جب اپنے بچپن کا وہ گھر چھوڑا جس سے اس کی اَن گنت یادیں وابستہ تھیں تو وہ کم و بیش تین چار برس کا تھا۔ فرائڈ اپنے بہن بھائیوں میں سب سے بڑا تھا۔ اس لیے گھر میں اسے ایک خاص اہمیت اور مقام حاصل

تھا۔ بڑے ہونے کی حیثیت سے اس میں ذمہ داری کا ایک شدید احساس پیدا ہو گیا تھا۔ ماں کی بے مثال محبت اور توجہ نے اسی احساسِ تحفظ اور اعتماد بخشا۔ لیکن خاندان کی اُلجھی ہوئی صورت حال نے اس کے ذہن پر بعض منفی اثرات بھی مرتب کیے۔ وہ ماں کی توجہ اور محبت میں کسی دوسرے کو شریک ہوتا نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس لیے جہاں اس کے دل میں باپ کے خلاف نفرت و حسد کے جذبات پیدا ہوئے، وہیں وہ اپنے اپنے بہن بھائیوں سے بھی رقابت محسوس کرنے لگا۔ نفرت، حسد اور رقابت کے جذبوں کی ساتھ ندامت، پشیمانی اور ملامت کے جذبات بھی شامل ہو گئے۔ چنانچہ فرائڈ جس جذباتی گرداب میں بچپن ہی میں اُلجھ گیا تھا، اس سے نکلنے کی ساری عمر جدوجہد کرتا رہا۔ ممکن ہے بعض لوگ فرائڈ سے بھی زیادہ اُلجھی ہوئے خاندانی صورتِ حال کا شکار ہوں لیکن ان میں اور فرائڈ میں فرق یہ ہے کہ فرائڈ ذہین و طباع ہونے کی وجہ سے اپنے مسائل کا صحیح فہم اور عقلی توجیہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اسی محرک کے تحت اس نے اپنے شہرۂ آفاق نظریات کو پیش کیا جن کی بنا پر اسے انسان کی فکری تاریخ میں بقائے دوام حاصل ہو گیا۔

فرائڈ نے ہائی سکول میں آٹھ سال تک تعلیم حاصل کی۔ اس دور کے بارے میں اتنی معلومات نہیں ملتیں جتنی کہ اس کے بچپن کے بارے میں ملتی ہیں۔ سکول کی تعلیم نے اس کی ذہنی صلاحیتوں کو جلا بخشی۔ اسے لاشعوری طور پر یہ احساس ہونے لگا کہ اس کی جذباتی اُلجھنوں کا حل اسے صرف علم و ادب کی دُنیا میں ہی مل سکتا ہے۔ چنانچہ وہ دل جمعی سے مطالعہ میں مگن ہو گیا۔ سترہ سال کی عمر میں وہ سکول سے فارغ ہو کر وی آنا یونیورسٹی کے میڈیکل سکول میں داخل ہو گیا۔ گھر کی معاشی بدحالی دور کرنے کے لیے اسے صرف طب ہی ایک ایسا پیشہ نظر آیا جسے اپنا کر وہ معقول روزی کما سکتا تھا۔ ذہنی طور پر فرائڈ گوئٹے شیکسپیئر اور ڈارون سے متاثر تھا۔ (3) طب کے ساتھ ساتھ اس نے فلسفہ، ادب اور انسانی علوم کا بھی گہرا مطالعہ کیا۔ انسانیات (Anthropology) کا علم ابھی منصۂ شہود پر نہیں آیا تھا اور نہ ہی نفسیات اور طب نفسی وجود پذیر ہوئی تھیں۔ لیکن فرائڈ کو جہاں کہیں سے بھی فطرت انسانی اور سماجی زندگی کے اسرار و رموز پر کوئی تحریر ملتی وہ اسے بالاستیعاب پڑھتا۔ بائبل کا اس نے خاص طور پر گہرا مطالعہ کیا اور اپنی عمر کے آخری دِنوں تک وہ

بائبل باقاعدگی سے پڑھا کرتا تھا۔

فرائڈ کی عمر ابھی اُنیس برس نہیں ہوئی تھی کہ اسے اپنے خوابوں کی سرزمین انگلستان جانے کا موقع ملا۔ آسٹریا میں یہودی ہمیشہ زیرِعتاب رہے تھے۔ انگلستان ہی ایک ایسی جگہ تھی جہاں یہودیوں کے خلاف تعصب نہیں پایا جاتا تھا۔ اس لیے فرائڈ اکثر اپنے بھائی ایمنویل پر رشک کرتا تھا جو وہاں کی آزاد فضا میں اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کر رہا تھا۔ ایمنویل اور جان، فرائڈ کو وہاں دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور انہوں نے اس کی خوب آؤ بھگت کی۔ اپنے سوتیلے بھائی سے تبادلۂ خیال کر کے فرائڈ کو اندازہ ہوا کہ اس کا باپ واقعی مشکل حالات سے گزرا ہے۔ ہمیں فرائڈ کے قیام انگلستان کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ملتیں، لیکن اتنا ضرور پتا چلتا ہے کہ ایمنویل کی وجہ سے اس کے باپ کے خلاف جذبات میں بڑی حد تک اعتدال آ گیا تھا۔

فرائڈ 1876ء میں واپس آیا۔ اس دفعہ اسے ارنسٹ بروکی (Ernst Brucke) کے ساتھ عضویات (Physiology) پر کام کرنے کا موقع ملا۔ بروکی سے اس نے فزیالوجی کے علاوہ نباتیات، طبیعیات وغیرہ بھی پڑھے۔ وی آنا یونیورسٹی میں 1854ء سے روایت چلی آ رہی تھی کہ میڈیکل کے طالب علموں کو فلسفے میں ایک تین سالہ کورس لازماً مکمل کرنا پڑتا تھا۔ لیکن 1875ء میں یہ قدغن اُٹھا لی گئی۔ تاہم فرائڈ نے اپنی مرضی سے فلسفے کے کچھ کورس پڑھے اور مشہور اُستاد بریٹانو (Bretano) کے ساتھ ارسطو کی منطق پر ایک کورس مکمل کیا۔ فرائڈ نے بروکی اور ہیلم ہولٹز سے بہت اثر قبول کیا۔ بروکی نے توانائی کی بقا کا نظریہ قائم کیا تھا اور ہیلم ہولٹز نے اعصابی نظام پر بروکی کے نظریہ کا اطلاق کیا تھا۔ ہیلم ہولٹز اور بروکی کے نظریات کا اس زمانے میں پورے یورپ میں شہرہ تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سائنسی منہاج کے ارتقا میں ان نظریات نے خاص کردار ادا کیا ہے اور فرائڈ کی سائنسی اور میکانکی طریق کار میں دلچسپی انہی کی تربیت کی مرہونِ منت ہے۔

فرائڈ کو 1881ء میں طب میں ڈاکٹریٹ (ایم۔ ڈی) کی ڈگری مل گئی۔ لیکن جس بروکی کے لیے اس نے چھ سال تک دن رات لیبارٹری میں کام کیا اس نے اسے لیبارٹری میں ملازمت دینے سے انکار کر دیا۔ اس سے فرائڈ بڑا دل برداشتہ ہوا۔ انہی

دِنوں اس کی منگنی ایک لڑکی مارتھا برنیز (Martha Bernays) سے کر دی گئی۔ چنانچہ مالی حالت بہتر بنانے کے لیے اس نے وی آنا کے ہسپتال میں بطور جونیئر ریذیڈنٹ ڈاکٹر کام کرنا شروع کر دیا۔ ہسپتال میں اس کا رابطہ تھیوڈور میزٹ (Theoder Maynert) سے ہوا جو کہ ماہر طب نفسی تھا۔ فرائڈ نے دماغی امراض کے حوالے سے تھیوڈور سے بہت کچھ سیکھا۔ لیکن فرائڈ کو تنخواہ بہت کم ملتی تھی۔ وہ اتنی رقم بھی جمع نہ کر سکا کہ شادی کر سکتا۔ لہٰذا اس نے وی آنا چھوڑ کر پیرس جانے کا پروگرام بنایا جہاں ذہنی و اعصابی امراض کے ہسپتال میں مشہور معالج شارکوٹ (Charkot) کے نام کا ڈنکا بجتا تھا۔ خوش قسمتی سے اسے پوسٹ گریجویٹ سکالرشپ مل گیا جس کی مالیت اگرچہ کم تھی لیکن اس کے ساتھ چھ مہینے کی چھٹی بھی مل سکتی تھی۔ فرائڈ کو صرف رقم سے غرض تھی، چھٹی سے اسے کوئی دلچسپی نہ تھی کیونکہ وہ واپس آنا نہیں چاہتا تھا۔

1878ء میں اس نے شارکوٹ کے زیر نگرانی طب نفسی پر کام کرنا شروع کر دیا۔ سال پیٹریری (Salpetriere) کا یہ ہسپتال ذہنی اور اعصابی امراض کے لیے خاص شہرت رکھتا تھا۔ شارکوٹ اپنے طریق علاج میں ہپناٹزم کو خاص اہمیت دیتا تھا۔ شارکوٹ ہپناٹزم کے طریق کار سے اتنی دلچسپی رکھتا تھا کہ اس نے سال پیٹریری میں ہپناٹزم پر تحقیق و تدریس کے لیے ایک سکول بھی کھول رکھا تھا۔ ہپناٹزم (تنویم) کے طریق علاج کو ہسٹیریا (Hysteria) کی مریض عورتوں کے علاج کے لیے استعمال کیا جاتا تھا اور یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ہسٹیریا دراصل ایک قسم کی رحم کی بیماری ہے۔ اسی لیے اسے ''اختناق الرحم'' کا نام دیا جاتا تھا۔ چنانچہ بعض فرانسیسی ڈاکٹر بچہ دانی کو بذریعہ آپریشن نکال کر بھی ہسٹیریا کا علاج کرتے تھے۔

فرائڈ آہستہ آہستہ شارکوٹ کے قریب ہوتا گیا۔ اس نے اس کی بعض کتابوں کے جرمن زبان میں تراجم بھی کیے۔ شارکوٹ ایک سائنسی ذہن رکھتا تھا اور نئے تجربات کی روشنی میں پرانے نظریات میں ترمیم و اضافہ کرتا رہتا تھا۔ عمل تنویم سے وہ ہسٹیریا کے مریضوں پر مصنوعی نیند طاری کر کے ان سے ان کے حالات و کوائف پوچھتا اور جب وہ اس نیند کو ختم کرتا تو مریض کو بڑی حد تک افاقہ محسوس ہوتا۔ اس طرح اس نے یہ نظریہ

اخذ کیا کہ ہسٹیر یا رحم کی بیماری نہیں، یعنی اس کی علت عضویاتی نہیں بلکہ نفسی اور ذہنی ہے۔
اس سے فرائڈ کو نفسی تجزیہ کی راہ نظر آئی۔(4)

فرائڈ نے پیرس میں کوکین پر تحقیق کی جس کے نتیجہ میں کوکین کے کامیاب ٹیکے ایجاد ہوئے۔ لیکن اس ایجاد کا سہرا اس کے ایک دوست نے جو کہ آنکھوں کا ڈاکٹر تھا، اپنے سر باندھ لیا۔ آنکھوں کے آپریشن کے لیے کوکین کا ٹیکہ استعمال ہونے لگا۔ اس کے باپ نے بھی یہ ٹیکہ لگوا کر آنکھوں کا آپریشن کروایا۔ لیکن فرائڈ کو اس بات کا بہت افسوس تھا کہ یہ ایجاد اس کے بجائے کسی اور سے منسوب ہو چکی ہے۔

فرائڈ نے 1886ء میں مارتھا سے شادی کر لی۔ فرائڈ کے ہاں تین لڑکے اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ سب سے چھوٹی بچی اینا فرائڈ بعد ازاں مشہور ماہر تحلیل نفسی بنی۔ وی آنا واپس آ کر اسے بروئر (Breur) کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔ بروئر کا ذکر وہ بڑے احترام سے کرتا ہے اور اسے ایک عظیم سائنس دان قرار دیتا ہے۔ بروئر ہیلم ہولٹز کا مقلد تھا۔ بروئر کی تحقیقات سے اسے پتا چلا کہ ہسٹیر یا کوئی ایسی بیماری نہیں جو رحم کی خرابی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہو اور نہ ہی یہ عورتوں سے مخصوص ہے۔ ہسٹیر یا کے شکار مرد بھی ہو سکتے ہیں۔ دوسری بات جس کا اشارہ اسے بروئر کی تحقیقات سے ملا یہ تھا کہ ہسٹیر یا کے اسباب وعلل کو کسی قسم کے عصبی یا عضویاتی فساد میں نہیں تلاش کرنا چاہیے بلکہ انہیں نفسی اور ذہنی کوائف میں ڈھونڈنا چاہیے۔ اس سلسلے میں وہ ایک دلچسپ واقعہ بیان کرتا ہے۔

بروئر کے زیر علاج ایک حسین اور نوجوان لڑکی تھی۔ یہ لڑکی ذہنی دباؤ اور پریشانی کا شکار تھی۔ دورانِ علاج پتا چلا کہ اسے اپنے بوڑھے اور بیمار باپ کی ہمہ وقت تیمار داری کا فریضہ انجام دینا ہوتا تھا۔ چنانچہ وہ اپنے منگیتر سے ملاقات کے لیے وقت نہیں نکال سکتی تھی۔ لڑکی کو اپنے باپ سے بھی بے حد پیار تھا اور وہ منگیتر سے ملنے کو بھی بے تاب رہتی تھی۔ بروئر کو اتفاقاً اس بات کا احساس ہوا کہ جب وہ لڑکی اپنے گھر کے حالات بیان کرتی ہے تو اس کے مرض کی علامات میں کمی پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اس سے بروئر نے یہ نتیجہ نکالا کہ اس کی بیماری کی اصل وجہ محبت کی جنون خیزی اور فرض کی شدت کا تصادم ہے۔ جب وہ لڑکی اپنے دل کی بھڑاس نکال لیتی تو اسے بڑا افاقہ محسوس ہوتا۔ اس سے فرائڈ نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اگر مریض اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرے تو اس

کی ہسٹیریائی علامات رفع ہو جاتی ہیں۔

اس راہ میں فرائڈ کو جو دِقت پیش آئی وہ یہ تھی کہ مریض کو اپنے تمام حالات و واقعات یاد نہیں ہوتے تھے یا وہ اخلاقی و سماجی تربیت کے زیرِ اثر صحیح طرح سے اظہارِ خیال نہیں کر پاتا تھا۔ بروئر تو عمل تنویم کے ذریعے مریض سے بہت کچھ پوچھ لیتا تھا لیکن فرائڈ کو مصنوعی نیند کا طریق کار کچھ زیادہ پسند نہ تھا۔ کیوں کہ اس سے مریض کا شافی علاج نہیں ہوتا تھا اور مرض کی علامات بار بار عود کر آتی تھیں۔ مزید برآں بعض عصبانیت کے مریض ایسے بھی ہوتے جنہیں ہپناٹائز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ (5) انہی دِنوں نینسی سکول (Nancy School) میں ایعاذ (Suggestion) کا طریق کار فروغ پا رہا تھا۔ فرائڈ نے پیرس جا کر اس پر تحقیق کی تو اسے بہت مفید پایا۔ چنانچہ اس نے تنویمی طریق علاج کو کلیتہً ترک کر دیا اور مریض کی تحت الشعوری یادوں کو شعور میں لانے کے لیے یہ طریق کار استعمال کرنا شروع کر دیا۔ وہ مریض کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر آہستہ آہستہ اس کی حوصلہ افزائی کرتا اور دبے ہوئے خیالات کے اظہار پر آمادہ کرتا۔ اس طریق علاج میں اسے بے مثال کامیابی ہوئی اور اس نے بے شمار مریضوں کا شافی علاج کیا۔ مزید تحقیق پر اسے اس بات کا یقین ہو گیا کہ زندگی کی بُنیاد جنس ہے۔ تاہم بروئر فرائڈ کے اس نظریہ سے متفق نہ ہوا۔ بروئر اور فرائڈ نے مل کر ایک مقالہ تحریر کیا جس کا عنوان تھا:

"On the Psychical Mechanism of Hysterical Phenomenon"

اس دَور میں پیری جینٹ (Pierre Janet) کے زیرِ اثر علماء کی اکثریت ہسٹیریا کے بارے میں یہی رائے رکھتی تھی کہ اس کی جڑیں عضویاتی اور عصبی خلل میں ہیں۔ فرائڈ اور بروئر نے بعد ازاں ایک کتاب بھی شائع کی جس میں انہوں نے بڑے مفصل اور مدلل انداز میں یہ ثابت کیا کہ ہسٹیریا عضویاتی نہیں بلکہ نفسی فساد کے باعث پیدا ہوتا ہے۔ تاہم بروئر فرائڈ کی طرح جنسیت کو اہمیت دینے پر تیار نہ ہوا۔ اس لیے دونوں کی رفاقت ختم ہو گئی۔

اب فرائڈ نے اپنے آپ کو کلیتہً تحقیق و تصنیف کے لیے وقف کر دیا۔ وہ طبی یا عصبی تحقیق کے بجائے نفسی تحقیق میں دلچسپی لیتا تھا۔ اس کے پاس بہت سے مریض علاج معالجے کے لیے آتے تھے ان سے اسے معقول آمدنی ہو جاتی تھی۔ اس دوران اس نے

متعدد مضامین اور کتابیں تحریر کیں اور کئی جگہوں پر لیکچر بھی دیے۔ اس کی کتابوں میں چند ایک جو بہت مشہور ہوئیں یہ ہیں:

خوابوں کی تعبیر **Interpretation of Dreams**

Moses and Monotheism

Psycho-Pathology of Everyday Life وغیرہ

1897ء میں اس نے خود اپنے لاشعور کا تجزیہ کرنا شروع کیا۔ یہ ایک نہایت مشکل اور خطرناک کام تھا۔ فرائڈ کو کسی طرف سے کوئی مدد یا راہنمائی نہیں مل سکی تھی۔ لیکن فرائڈ نے اس عمل کو بخیر و خوبی سرانجام دیا۔ خود اپنی تحلیل نفسی کر لینے کے بعد فرائڈ نے خود کو بڑا پُراعتماد اور پہلے کی نسبت زیادہ آزاد محسوس کیا۔ اگر وہ اپنے لاشعور کی گہرائیوں میں نہ اُترتا اور اپنی ان الجھنوں کو رفع نہ کرتا جو بچپن سے اس کا پیچھا کر رہی تھیں، تو شاید نفس انسانی کے سربستہ اسرار و رموز سے پردہ نہ اُٹھتا۔ اب فرائڈ کی تحریروں میں اتنا اعتماد اور اتنی صداقت پیدا ہوگئی تھی کہ وہ بین الاقوامی شہرت کا مالک بن گیا۔

11 مارچ 1938ء کو نازی افواج نے آسٹریا پر حملے شروع کر دیے۔ اگرچہ فرائڈ کی خواہش تھی کہ اس کی بقیہ زندگی وی آنا میں گزرے، لیکن فرائڈ کے لیے وی آنا میں رہنا بہت مشکل ہو گیا۔ چنانچہ اس نے ایک بار پھر بنی اسرائیل کی روایت پر عمل کرتے ہوئے اپنے وطن سے ہجرت کی اور لندن میں پناہ گزین ہوا۔ یہاں اس کی بڑی پذیرائی ہوئی۔ لندن میں وہ اپنے علمی مشاغل زیادہ دیر تک جاری نہ رکھ سکا کیونکہ اسے جبڑے کا سرطان ہو گیا تھا۔ فرائڈ دوائیاں کھانے سے نفرت کرتا تھا۔ لیکن اس کی تکلیف بڑھتی گئی۔ علاج معالجے سے بھی کوئی فرق نہ پڑا۔ جبڑے کی تکلیف اس قدر شدید ہوگئی کہ اس نے اپنے ڈاکٹر سے خود یہ درخواست کی کہ اسے کوئی نشہ آور دوائی دی جائے تاکہ وہ اس عذاب سے جان چھڑا سکے۔ اس کے ڈاکٹر نے اسے ایک گرین کا تیسرا حصہ مارفین دی۔ فرائڈ نے ساری عمر دواؤں سے گریز کیا تھا۔ اس کے لیے یہ خوراک بھی زیادہ تھی۔ اس پر ایسی بے ہوشی طاری ہوئی جو بالآخر موت پر منتج ہوئی۔ اسی طرح فرائڈ 23 ستمبر 1939ء کو نصف شب سے پہلے اس جہانِ فانی سے کوچ کر گیا۔

دوسرا باب

انسانی شخصیت کی ساخت

انسانی شخصیت کوئی ایسی شئے نہیں جسے اجزا یا حصوں اور ٹکڑوں میں تقسیم کیا جا سکے۔ شخصیت ایک ایسی نفسی وحدت ہے جس کا تجزیہ نہیں کیا سکتا۔ (1) تاہم اس کی نوعیت کو صحیح طرح سمجھنے کے لیے فرائڈ اسے تین بڑے حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ انہیں وہ اڈ (The Id) ایغو (The Ego) اور سُپر ایغو (The Super Ego) کہتا ہے۔ (2) ایک ذہنی طور سے صحت مند اور نارمل آدمی کی شخصیت کے یہ تینوں نظام باہم دِگر مربوط اور ہم آہنگ ہوتے ہیں۔ روزمرہ کی زندگی کے معمولات اسی صورت میں نارمل اور متوازن رہ سکتے ہیں جب ان تینوں نظاموں یا اُصولوں کے مابین توازن اور ہم آہنگی پائی جائے۔ انسان اپنی بُنیادی ضروریات کی تکمیل کے لیے سماجی زندگی میں مختلف انداز میں سرگرم عمل رہتا ہے۔ اس کی تمام نارمل سرگرمیوں کا دارو مدار ان تین نظاموں کے توازن اور توافق پر ہے۔ اگر یہ توازن بگڑ جائے تو اس میں عدم تسویہ (Maladjustment) اور اَیب نارمل رویہ پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح سماجی زندگی میں انسان کی مستعدی اور فعالیت میں کمی آ جاتی ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ فرائڈ ان تین اُصولوں کی تشریح کیسے کرتا ہے۔

1- اڈ (The Id)

فرائڈ کا سب سے بڑا کارنامہ لاشعور (unconscious) کی دریافت ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان کی فکری تاریخ میں ہمیں لاشعور کے بارے میں کئی اشارے ملتے ہیں۔ مثلاً افلاطون کے نزدیک تمام علم دراصل بازیافت (recollection)

ہے۔ دُنیائے امثال میں پائے جانے والے تعقلات شروع سے ہی انسانی ذہن کے اندر موجود ہوتے ہیں لیکن انسان بتدریج ان سے آگہی حاصل کرتا ہے۔ افلاطون کے علاوہ ہمیں لائبنز، شوپنہار اور نطشے وغیرہ کے افکار میں بھی لاشعور کے بارے میں واضح اشارے ملتے ہیں۔ لیکن فرائڈ سے پہلے کسی مفکر نے بھی لاشعور کو بطورِ خاص موضوع بنا کر سائنسی انداز میں تحقیق نہیں کی تھی۔

روزمرہ کی زندگی میں اکثر یوں ہوتا ہے ہے کہ ہم کوئی بات بھولے ہوئے ہیں اور کسی کے بار بار یاد دلانے پر بھی وہ ہمیں یاد نہیں آتی۔ پھر یک لخت وہ بات ہمارے ذہن میں آ جاتی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ بات بھولی ہوئی تھی تو تب کہاں تھی؟ اس امر سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جب وہ ہمیں یاد نہیں آ رہی تھی تب بھی اس کا وجود بہر حال تھا۔ اگر اس کا وجود نہ ہوتا تو وہ ہمیں یاد کیسے آتی؟ اس سے فرائڈ نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ذہن کی کچھ پوشیدہ تہیں ہوتی ہیں جن میں بھولے بسرے واقعات اور فراموش کردہ یادیں ہوتی ہیں۔

اس طرح ذہن کی شکل کچھ یوں بنتی ہے: شعور، تحت الشعور اور لاشعور۔ ذہن ایک ایسے برفانی تودے یا گلیشیئر کی مانند ہے جو پانی میں تیر رہا ہو اور اس تودے کا بیشتر حصہ پانی کی گہرائی میں چھپا ہو۔ اب اس کا کچھ حصہ تو ایسا ہے جو پانی کے اُتار چڑھاؤ کے ساتھ کبھی ظاہر ہو جاتا ہے اور کبھی نظروں سے اوجھل ہوتا ہے اور ایک حصہ ایسا ہے مستقلاً ہماری نظروں کے سامنے رہتا ہے۔ گلیشیئر کا وہ حصہ جو پانی کے اندر چھپا ہوا ہے اور کبھی ظاہر نہیں ہوتا، لاشعور ہے۔ وہ حصہ جو کبھی ظاہر ہو جاتا ہے اور کبھی چھپ جاتا ہے، تحت الشعور ہے اور وہ حصہ جو مستقلاً باہر رہتا ہے، شعور ہے۔

اس طرح فرائڈ لاشعور کو ایک استقرائی استنتاج (Inductive Inference) کا درجہ دیتا ہے۔ بعد تنویمی (Post-Hypnotic) اعمال اس بات کی شہادت فراہم کرتے ہیں کہ ذہن کی ایسی عمیق ترین تہیں بھی موجود ہیں جن تک شعور کی روشنی کبھی نہیں پہنچتی۔ کوئی عامل اگر کسی شخص سے حالت تنویم میں یہ کہے کہ تم ساڑھے تین بجے کپڑے سے میز صاف کرو گے تو وہ شخص ہوش میں آنے کے بعد ساڑھے تین بجے بعینہٖ وہی کرے گا جو اس سے کہا گیا تھا لیکن اسے اس امر کا قطعی احساس نہیں ہو گا کہ وہ ایسا کیوں

کر رہا ہے۔ اس کا وقت معینہ پر کپڑے سے میز صاف کرنا یکسر لاشعوری تحریک کے تحت ہوگا۔ مزید برآں ایسی باتیں جو عام حالات میں بھولی رہتی ہیں لیکن کسی خاص موقع پر یاد آ جائیں، اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ ذہن کی پوشیدہ تہ میں موجود تھیں۔ ذہنی امراض میں کئی ایسی علامات رونما ہوتی ہیں جو بظاہر بہت لغو اور بے معنی محسوس ہوتی ہیں لیکن اگر انہیں لاشعوری پس منظر مہیا کر دیا جائے تو ان کے معانی متعین ہو جاتے ہیں اور مریض کے علاج میں بھی سہولت ہو جاتی ہے۔ اس طرح کے شواہد کی بنا پر فرائڈ نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ لاشعور کا مفروضہ نہ صرف عملی لحاظ سے ناگزیر ہے بلکہ نظری بحث کے لیے بھی بہت ضروری ہے۔(3)

روزمرہ کے تجربات کا اکثر و بیشتر حصہ تحت الشعور یا لاشعور میں چلا جاتا ہے۔ کچھ واقعات اور تجربات تحت الشعور میں جا کر وقتی طور پر پوشیدہ ہو جاتے ہیں لیکن ہم حسب ضرورت انہیں اپنی مرضی سے شعور میں طلب کر سکتے ہیں۔ لیکن بہت سے واقعات و تجربات ابطان (repression) کے ذریعے لاشعور میں چلے جاتے ہیں اور انہیں صرف کسی مخصوص طریق کار کے تحت ہی شعور کی سطح پر اُبھارا جا سکتا ہے۔ لیکن فرائڈ کا خیال تھا کہ ایک ابتدائی لاشعور (Primary Unconscious) بھی ہوتا ہے جو کبھی اور کسی صورت میں بھی اپنا اظہار نہیں کرتا۔ (4) اس ابتدائی لاشعور کو فرائڈ ''اڈ'' کا نام دیتا ہے۔ چنانچہ اڈ انسانی شخصیت کا عمیق ترین، غیر واضح اور کلیتہً لاشعوری حصہ ہے جس کی نامعلوم گہرائیوں تک شعور کی کرنیں کسی طرح بھی نہیں پہنچ سکتیں۔ اڈ تمام نفسی و طبعی میلانات، جنسی و جبلی رُجحانات اور حیاتی توانائی کا منبع و مصدر ہے۔ اڈ کی سرکش قوتیں کسی اخلاقی ضابطے، مذہبی اُصول یا سماجی و سیاسی قانون سے واقف نہیں۔ یہاں مکمل انتشار اور نراج کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ یہاں کی ہر خواہش اور جبلت کا صرف ایک ہی مقصد ہے اور وہ ہے فوری تکمیل۔ اسی لیے اڈ کی توانائی کو آزاد توانائی (Free Energy) کہا جاتا ہے اور یہ توانائی اصول لذت (Pleasure Principle) کی تابع ہے۔ اڈ خارجی دُنیا سے قطعاً منقطع ہے۔ اس میں نہ تو زمان و مکان کوئی حیثیت رکھتے ہیں اور نہ ہی غیر منطقی اور متناقض رُجحانات کی تمیز و تخصیص ہوتی ہے۔ مرورِ زمانہ سے اس کے اندر کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ وراثت میں منتقل ہونے والے رُجحانات اڈ میں ہی ذہنی نوعیت حاصل کرتے

ہیں۔ یہ حیوانی اور حیاتی توانائی کا ایسا سرچشمہ ہے جو عضویہ کو آمادۂ عمل کرتا ہے۔

اڈ کا اگرچہ خارجی دُنیا کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں ہوتا، تاہم عضویہ کے ساتھ اس کا بہت قریبی تعلق ہوتا ہے۔ عضویہ میں عصبی نظام (Nervous System) کی بہت اہمیت ہے۔ کچھ اعصاب ایسے ہیں جو خارجی دُنیا سے تحسسات (Sensations) لے کر انہیں ذہن تک پہنچاتے ہیں۔ یہ حسی اعصاب (Sensory Nerves) کہلاتے ہیں۔ کچھ اعصاب ایسے ہیں جو دماغ سے حکم لے کر عضویہ کے مختلف اعضاء تک پہنچاتے ہیں۔ ان کو حرکی اعصاب (Motor Nerves) کا نام دیا جاتا ہے۔ حسی اور حرکی اعصاب کا تانا بانا پورے عضویہ کے اندر پھیلا ہوتا ہے۔ اگر کسی کے پاؤں میں کانٹا چبھ جائے تو پاؤں سے ایک عصب حسی یہ اطلاع لے کر دماغ تک جائے گی اور دماغ سے ایک عصب حرکی یہ حکم لے کر آئے گی کہ پاؤں زمین سے اُٹھا لیا جائے اور کانٹا نکالا جائے۔

کچھ اعمال ایسے ہوتے ہیں جن میں اطلاع کے پہنچنے اور حکم کے جاری ہونے میں ارادہ اور سوچ بچار کا عمل دخل ختم ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر کسی کی آنکھ پر بہت تیز روشنی ڈالی جائے تو آنکھ از خود بند ہو جائے گی۔ اس طرح تیز روشنی سے شبکیہ (Retina) محفوظ ہو جائے گا اور خارجی مہیج سے نظامِ عصبی میں پیدا ہونے والی ہلچل ختم ہو جائے گی۔ ایسے خود کار عمل کو اصطلاح میں اضطرار (Reflex) کہتے ہیں۔ اڈ بُنیادی طور پر اضطرارات (Reflexes) کا ایک ایسا آلہ ہے جو باہر سے آنے والی ایسی مہیجات (Stimuli) کو غیر موثر بنا دیتا ہے جو نظامِ عصبی میں ارتعاش اور ہلچل کا باعث بنتے ہیں۔ جیسے کہ تیز روشنی کی صورت میں آنکھ کا بند ہونا اور شبکیہ کو مہیج کے ارتعاش سے بچا کر عضویہ کو دوبارہ پُرسکون بنانا۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ مہیجات خارجی ماحول سے عضویہ پر اثر انداز ہوں۔ عضویہ میں اندرونی طور پر بھی بعض تحریکات یا ارتعاشات پیدا ہو سکتے ہیں۔ مثلاً پیشاب کو روکے رکھنے سے بے چینی کی کیفیت پیدا ہو گی اور ایک خاص حد پر پہنچ کر پیشاب روکے رکھنے کا عمل ارادی نہیں رہے گا اور عضویہ کو بے چینی سے نجات دلانے کے لیے یہ از خود خارج ہو جائے گا۔ اس سے پتا چلا کہ عضویہ کو اطناب (Tension) سے بچانے کے ''اضطرارات'' کا ایک نظام موجود ہے خواہ یہ اطناب بیرونی تحریکات سے پیدا ہو یا اندرونی مہیجات سے۔ اڈ بُنیادی طور پر ایسے ہی اضطرارات سے عبارت ہے اور اس

کا اصل وظیفہ اطناب یا کھچاؤ کو زائل کرنا ہے۔

اطناب کی بعض صورتیں ایسی ہیں کہ انہیں عضویہ از خود اپنے نظام اضطرارات سے رفع نہیں کر سکتا۔ مثلاً بھوک سے بلکتے ہوئے بچے کے اندر ایسا کوئی خودکار نظام اضطرارات موجود نہیں جس کی مدد سے وہ بھوک سے پیدا ہونے والی بے چینی اور اطناب کو ختم کر سکے۔ ایسی صورت میں عضویہ خارجی مدد کا دست نگر ہے۔ جب کوئی بڑا بچے کو خوراک فراہم کر دیتا ہے تو بچے کا عصبی نظام پُرسکون ہو جاتا ہے کیونکہ اس کے اندرونی اضطرارات مثلاً چھونا، نگلنا، ہضم کرنا وغیرہ از خود اپنا اپنا وظیفہ ادا کرنے لگتے ہیں۔

حسی حرکی (Sensory Motor) نظام کے ساتھ ساتھ انسان کے پاس ایک نظام ادراک (Perceptive System) اور ایک نظام حافظہ (Memory System) بھی ہوتا ہے۔ بچہ جب خوراک حاصل کرتا ہے تو وہ خوراک کو دیکھتا، چھوتا اور محسوس کرتا ہے۔ یہ ادراک اس کے حافظہ میں محفوظ ہو جاتا ہے۔ اب خوراک کے ادراک کے ساتھ ہی بچے کو تسکین کا احساس ہوتا ہے یعنی خوراک دیکھنا اور تسکین کا ہو جانا تلازم (Association) کے رشتے میں پروئے جاتے ہیں۔ کیونکہ بچہ اب ان اشیا کو اچھی طرح پہچاننے لگا ہے جو کہ اس کی بھوک مٹاتی ہیں، اس لیے ان کو دیکھتے ہی اسے ذہنی طور پر تسکین کا احساس ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اسے فرائڈ ابتدائی عمل (Primary Process) کا نام دیتا ہے۔ لیکن وہ اس کے بعد ایسی بات کہتا ہے جو نفسیاتی لحاظ سے بہت اہم ہے۔ اڈ کے نقطہ نظر سے ابتدائی عمل اور حافظہ کی شبیہہ (Memory Image) میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بھوکا آدمی کھانے کے ذہنی تصور سے بھوک نہیں مٹا سکتا۔ لیکن موضوعی ذہنی تصور اور خوراک کا حقیقی ادراک اڈ کے لحاظ سے یکساں ہے۔ اسے فرائڈ ادراک کی عینیت (Identity of Perception) کہتا ہے۔ اس سے فرائڈ کی مراد یہ ہے کہ اڈ کے لیے حافظہ کی ایک شبیہہ اور حقیقی ادراک میں کوئی فرق نہیں۔ اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اڈ محض حافظہ کی موضوعی شبیہہ سے ہی تسکین پا جاتی ہے۔(5) بھوکے آدمی کو کھانے کے خواب آتے ہیں۔ خواب دراصل حافظہ کی شبیہوں (Memory Images) کا ہی تسلسل ہوتا ہے۔ خواب دیکھنے والے کے لیے وہی باعث

تسکین ہوتے ہیں۔ خوابوں میں ایسی شبیہیں تشکیل پذیر ہوتی ہیں جو کسی وجہ سے پیدا ہونے والے اطناب یا کھچاؤ کو دُور کر دیتی ہیں۔ اسی کو فرائڈ تکمیل خواہش (wish fulfilment) کا نام دیتا ہے۔

فرائڈ کے نزدیک اڈ ایک ایسی خفیہ نفسی حقیقت ہے جو تمام تر موضوعی ہے۔ اسے خارجی دُنیا کا علم نہیں۔ نہ ہی اس کے اندر منطقی، مذہبی، اخلاقی یا سماجی حقائق سے آگہی پائی جاتی ہے۔ یہ توانائی کا ایک سمندر ہے جو ہر دم متلاطم رہتا ہے۔ آزاد توانائی ہونے کی وجہ سے اڈ اپنی تسکین و تکمیل کے اہداف بدلتی رہتی ہے۔ اسے زبردست قوت حاصل ہے اور اگر اسے اپنی تکمیل کے لیے خارجی دُنیا کے اسباب نہ بھی میسر آئیں تو یہ خود واہموں، خوابوں، تمثیلوں اور شبیہوں کی دُنیا تخلیق کر لیتی ہے۔ اس کے صرف دو مقاصد ہیں، الم سے احتراز اور لذت کا حصول۔ شخصیت کی تعمیر میں یہ بُنیادی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ اس کے نوعیت تمام عمر نہیں بدلتی۔ فرائڈ تسلیم کرتا ہے کہ شخصیت کا یہ حصہ انتہائی غیر واضح اور مبہم ہے۔ ہماری اس تک رسائی ناممکن ہے۔ ہم جو کچھ اس کے بارے میں جانتے ہیں وہ خوابوں کے مطالعے اور عصابتیت کے مریضوں (Neurotics) کے مشاہدے سے جانتے ہیں۔ اڈ کی سرکش اور اندھی قوتوں کے تحت بعض اوقات لوگ محیرالعقول کارنامے سرانجام دے دیتے ہیں۔ مثلاً کسی بھاری پتھر کو اُٹھا کر دُور پھینک دینا، شعلوں میں لپٹی ہوئی عمارت میں گھس کا کسی کو بچا لانا، بچوں کی حفاظت کے لیے شیر سے بھی لڑ جانا، غصے میں کسی کو سر سے اُٹھا کر زمین پر پٹخ دینا وغیرہ۔ مجرمانہ حملوں اور عصمت دری کے واقعات میں بھی اڈ کی سرکش اور اندھی بہری قوتوں کا عمل دخل نظر آتا ہے۔ کوئی شخص دُنیا کے حقائق سے آنکھیں چرا کر دن رات خوابوں خیالوں میں ہوائی قلعے تعمیر کرتا ہے تو وہ بھی اڈ کی قوتوں کے زیر اثر ہوگا۔

فرائڈ کے بعد یونگ (Jung) نے اڈ کے تصور کو بہت وسعت بخشی اور نخست مثالوں (Archy types) کا نظریہ پیش کیا۔ (6)

2- الیغو (The Ego)

شخصیت کی ساخت کا دوسرا حصہ انا یا الیغو ہے۔ اڈ کی اندھی، بہری، سرکش اور

حیاتی و نفسی قوتیں اگرچہ حرکت و عمل کا سرچشمہ ہیں تاہم یہ عضویہ کے تحفظ اور بقا کی ضمانت فراہم نہیں کرتیں۔ چونکہ اڈ خارجی دُنیا سے مطلقاً نا آشنا ہے، اس لیے عین ممکن ہے کہ وہ حصول لذت کی اندھا دُھند سعی و کاوش میں عضویہ کو ہی ہلاکت میں ڈال دے۔ مزید برآں شاہراہِ ارتقا پر آگے بڑھنے اور بقائے نسل کے لیے اڈ نے اپنے دو وظیفے جو ازخود قائم کر رکھے ہیں، انتہائی ناکافی ہیں۔ اضطرارات کا نظام اور تکمیل آرزو (Reflexes and Wishfulfilment) دونوں ہی اس امر کی ضمانت فراہم نہیں کرتے کہ اڈ کے مقاصد (حصولِ لذت اور اجتنابِ الم) بہتر انداز میں حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ اڈ علم و بصیرت سے یکسر محروم ہے۔ اپنے اضطراری افعال سے وہ عضویہ کو خطرے میں ڈال سکتی ہے۔ اس کے علاوہ واہموں اور خوابوں میں حصولِ تسکین ارتقائی عمل کے تقاضوں کے پیش نظر یکسر بے معنی ہے۔ بھوک سے نڈھال آدمی کو سپنوں میں کھایا جانے والا کھانا زندہ نہیں رکھ سکتا اور جوان و بالغ آدمی کی جنسی تحریکات کی خواب و خیال میں تسلی و تشفی بقائے نسل کے اعتبار سے عبث ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ کوئی ایسا نظام بھی ہو جو ایک طرف عضویہ کو خطرات سے بچائے اور دوسری طرف اس کی خوراک و جنس کے معاملات میں مناسب راہ نمائی کر سکے۔ چنانچہ عضویہ کے اسی اقتضاء کے تحت اڈ سے بالکل متضاد ایک دوسرا اُصول یا نظام تشکیل پذیر ہوتا ہے جس کا مقصد خارجی ماحول کا عرفان اور اس عرفان کی روشنی میں عضویہ کے لیے راہِ عمل کا تعین ہے۔ یہ اُصول ایغو ہے۔ ایغو کی بدولت عضویہ ماحول سے مطابقت اختیار کرتا ہے۔ ایغو وہ دیدۂ بینا اور خضرِ راہ ہے جو ماحول کی سختی گرمی اور سماجی حقائق کی اونچ نیچ کے پیش نظر اڈ کی راہ نمائی کرتا ہے۔ اس مقصد کے لیے ایغو ماضی کی یادداشتوں کی تصاویر کا ذخیرہ کرتا جاتا ہے اور اس ذخیرے کی بُنیاد پر خارجی ماحول کی جس حد تک ممکن ہو حقیقی اور اصلی تصویر تیار کرنے کی کوششیں کرتا ہے۔

اسی بنا پر ایغو کی تشکیل میں قانون حقیقت (Reality Principle) روح رواں ہوتا ہے۔ حقیقت کا مطلب وہ حقائق ہیں جو خارجی دُنیا میں معروضی طور پر موجود ہیں۔ چنانچہ ایغو اڈ کو یہ تربیت دیتا ہے کہ وہ حصولِ لذت کی طلب کو اس وقت تک دبائے رکھے جب تک خارجی دُنیا میں مطلوبہ شئے کے مل جانے کا امکان پیدا نہ ہو جائے۔ مثلاً

ایک بچہ جو بھوک کی شدت سے بلک رہا ہو، تجربے اور ایغو کی تربیت سے یہ سیکھ جاتا ہے کہ محض انگوٹھا چوسنے سے کام نہیں چلے گا بلکہ اسے خوراک کی آمد کا انتظار کرنا چاہیے یا اس کے حصول کے لیے کچھ سرگرمی دکھانی چاہیے۔ اُصولِ حقیقت کا یہ وظیفہ نہیں کہ وہ اُصولِ لذت کی نفی کر دے۔ اس کے برعکس وہ اسے صرف اس وقت تک موخر کرتا ہے جب تک مناسب حالات وکوائف میسر نہ ہو جائیں۔ یہ صرف قانونِ لذت کو عارضی طور پر معطل کرتا ہے۔ اس کے پیشِ نظر خارجی دُنیا کے حقائق ہوتے ہیں اور وہ ان حقائق کے حوالے سے مناسب وقت پر سامانِ تسکین ولذت حاصل کرنے میں مدد دیتا ہے۔

اڈ کی نوعیت تو شروع سے آخر تک غیر متغیر اور غیر مبدل رہتی ہے لیکن ایغو بچے کے پروان چڑھنے کے ساتھ ساتھ ارتقا پذیر رہتا ہے۔ اس ارتقائی عمل میں فرائڈ دو اہم مرحلوں کا ذکر کرتا ہے۔ ابتدائی مرحلے پر (جسے وہ Primary Process کہتا ہے) تو اڈ کی مطلوبہ اشیا کی ایک تصویر قائم ہوتی ہے۔ یعنی ان کا علم یا وقوف حاصل ہوتا ہے۔ دوسرے مرحلے میں ایغو ان اہداف یا اشیا کے حصول کے لیے مختلف طریقے وضع کرتا ہے۔ اس طرح پیش بینی، منصوبہ بندی، یاد رکھنے، سوچنے سمجھنے اور نئے نئے آدرش وضع کرنے کی صلاحیتیں شخصیت کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ جلا پاتی رہتی ہیں۔ یہ مرحلہ کم بیش تفکر یا مسئلہ کے حل (Problem Solving) کا مرحلہ ہے۔ فرائڈ کہتا ہے کہ پہلے مرحلے میں چونکہ اڈ کا اثر غالب ہوتا ہے چنانچہ حقیقی تسکین اور ذہنی و خیالی تسکین میں واضح فرق نہیں ہوتا۔ لیکن دوسرے مرحلے میں جب تک حقیقی تسکین کا سامان نہ فراہم ہو جائے، ایغو یکے بعد دیگرے مختلف لائحہ عمل میں سامنے لاتا رہتا ہے اور جب تک حقیقی تسکین نہ میسر آ جائے اپنا وظیفہ جاری رکھتا ہے۔ اس دوسرے مرحلے میں (جسے فرائڈ Secondary Process کہتا ہے) ماحول اور خارجی دُنیا کے ساتھ عضویہ کی پنجہ آزمائی ہوتی ہے۔ غیر موافق اور نامساعد حالات میں اپنے مقاصد کا حصول فکر ونظر کی صلاحیتوں کو نکھارتا ہے اور انسان کا ادراک، حافظہ، تفکر اور قوت عمل ارتقا پذیر ہوتے ہیں۔

بتدریج ادراک کا عمل اتنا تیز اور ترقی یافتہ ہو جاتا ہے کہ انسان مہیجات کے ہجوم میں اپنی مطلوبہ شئے کو فوراً پہچان لیتا ہے۔ ادراک کی فراہم کردہ معلومات حافظہ میں جمع ہوتی رہتی ہیں اور سوچ اور تفکر کا عمل مسئلہ کے حل کے لیے انہیں کام میں لاتا ہے۔

حافظہ کی صلاحیت زبان اور اشارات کے استعمال سے بہت بڑھ جاتی ہے۔ ماحول کے ساتھ مسلسل نبرد آزمائی سے انسان کے عضلات اور اعضا و جوارح بھی مخصوص سانچوں میں ڈھل جاتے ہیں اور پیچیدہ ترین وظائف انجام دینے کی اہلیت پیدا کر لیتے ہیں۔ چنانچہ تہذیب و ثقافت کا تمام ارتقا ایغو کی نشوونما سے مشروط ہو جاتا ہے۔ مختصراً یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایغو پیچیدہ تفسیاتی اعمال کا ایسا نظام ہے جو اڈ کی رستخیز قوتوں کو فکر و دانش کی لگام پہناتا ہے اور انہیں ماحول کے حقائق سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

فرائڈ ایغو کے ایک اور وظیفے کا ذکر بھی کرتا ہے جو کہ ابتدائی عمل (Primary Process) سے قدرے مختلف ہے۔ اس میں ایغو تمثالوں اور تشبیہوں کی بُنیاد پر واہمے اور جاگتی آنکھوں خواب دیکھنے کی استعداد پیدا کرتا ہے۔ ابتدائی عمل میں حقیقت اور واہمے کی تخصیص و تمیز نہیں ہوتی۔ لیکن ایغو کے وجود پذیر ہونے سے انسان کو پتا چل جاتا ہے کہ جاگتی آنکھوں جو وہ خواب دیکھ رہا ہے ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ تاہم وہ ارادی طور پر بیداری کے خواب دیکھتا ہے کیونکہ اس سے اسے راحت ملتی ہے۔ اس وظیفے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ حقائق کی تلخی اور ناسازگاری کو کچھ کم کرنے کے لیے خواب بیداری سے اڈ کی جزوی تسکین کی جا سکے۔

اگرچہ ایغو کی تشکیل بڑی حد تک عضویہ کی ماحول سے مطابقت پذیری کی رہینِ منت ہے، تاہم اس میں توارث (Heredity) اور آموزش (Learning) کا بھی عمل دخل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص میں فکر و استدلال کی کچھ وہبی اور خلقی (Innate) صلاحیتیں بھی ہوتی ہیں جو کہ تجربہ آموزش اور تعلیم سے جلا پاتی ہیں۔

3- سُپر ایغو (The Super-Ego)

شخصیت کے بُنیادی ڈھانچے کا تیسرا اور انتہائی اہم حصہ ''فوق الانا'' یا ''سُپر ایغو'' ہے۔ اسے ہم شخصیت کا اخلاقی اور عدالتی شعبہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ اُصولِ حقیقت یا اُصولِ لذت کے بجائے کسی نصب العین یا آدرش کا غماز ہوتا ہے اور اعمال و افعال کو معیاری و مثالی بنانا چاہتا ہے۔ اس لحاظ سے ہم اسے شخصیت کے لیے ایک ''اخلاقی ضابطے'' کا نام دے سکتے ہیں۔ بچہ جب اپنے والدین کے طرزِ عمل کا مشاہدہ کرنے کے

بعد اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ وہ کن اُمور کو صواب و ناصواب، خیر و شر یا جائز و جاجائز سمجھتے ہیں تو اس کے ایغو میں سے سُپر ایغو ایک اخلاقی شعور کی حیثیت سے اُبھرتا ہے۔ یہ اخلاقی شعور بتدریج بچہ کی شخصیت میں اپنے والدین کے استناد و اختیار کی جگہ لے لیتا ہے۔ یعنی بچہ ایک عرصے تک اپنے والدین کی اتھارٹی کے حوالے سے گناہ اور ثواب، اچھے اور بُرے، خیر و شر سے متعارف ہوتا رہتا ہے۔ لیکن پھر بتدریج والدین کی یہ اتھارٹی خود اس کی اپنی شخصیت کا ایک حصہ بن جاتی ہے۔ اس طرح سُپر ایغو ایک ایسے اُصول کی حیثیت سے تشکیل پذیر ہوتا ہے جو زندگی کے معاملات میں ازخود فیصلے کرتا ہے اور والدین کی ہدایت و راہنمائی کا دست نگر نہیں رہتا۔ اس طرح بچے کی شخصیت میں ایک طرف اس کا ایغو اُصولِ حقیقت کے تحت خارجی دُنیا سے تعامل کے رنگ ڈھنگ سیکھتا ہے تو دوسری طرف اس کی طرح سُپر ایغو اپنے والدین کے احکام و نواہی کو داخلی طور پر اپنا لیتا ہے اور والدین کی ہدایات کے بغیر بھی وہ کام کرنے لگتا ہے جنہیں وہ پسند کرتے ہیں اور ان کاموں سے احتراز کرنے لگتا ہے جنہیں وہ ناپسند کرتے ہیں۔

سُپر ایغو دو ذیلی نظاموں ''ایغو آئیڈیل'' (Ego-Ideal) اور ''ضمیر'' (Conscience) پر مشتمل ہے۔ بچہ اپنی تعلیم و تربیت کے دوران میں اپنے ماں باپ سے خیر و شر اور صواب و ناصواب کے بارے میں جو کچھ سیکھتا ہے اس سے وہ اپنے ذہن میں ایک اخلاقی معیار وضع کرتا ہے جو اسے بتاتا ہے کہ اس کا رویہ کیسا ہونا چاہیے۔ والدین اس کے پسندیدہ طرزِ عمل کو سراہتے ہیں۔ مثلاً اگر اس کے صاف ستھرے رہنے کی وہ بار بار تعریف کریں اور اس کا اسے انعام بھی دیں تو صفائی، اس کا آدرش یا آئیڈیل بن جائے گی۔ اس کے برعکس ضمیر بچے کا وہ تصور ہے جو وہ اپنے والدین کے نواہی سے اخذ کرتا ہے۔ ماں باپ جن باتوں کو گناہ یا ناجائز سمجھتے ہیں ان سے وہ بچے کو بار بار ٹوکتے ہیں بلکہ سزا بھی دیتے ہیں۔ اگر بچے کو غلیظ اور گندہ رہنے پر بار بار سزا ملے تو اس تجربے سے وہ گندہ رہنے کو ایک قسم کا جرم سمجھنے لگے گا۔ ''ایغو آئیڈیل'' اور ''ضمیر'' فرائڈ کے نزدیک ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہیں یا ایک ہی اخلاقی صورتِ حال کے دو پہلو ہیں۔

سُپر ایغو کی تشکیل میں جزا اور سزا کی بہت اہمیت ہے۔ جزا اور سزا دو طرح دی جا سکتی ہے، طبیعی طور پر اور نفسیاتی طور پر۔ اگر بچے کے کسی فعل سے خوش ہو کر ماں باپ

اسے کھلونا، مٹھائی یا کوئی اور انعام دیں تو یہ طبیعی جزا ہوگی اور اگر کسی فعل سے ناراض ہو کر اس کی پٹائی کر دیں تو یہ طبیعی سزا ہوگی۔ اسی طرح اگر اس کے کسی فعل سے خوش ہو کر اس کی تعریف کریں اور محبت بھرے الفاظ استعمال کریں تو یہ نفسیاتی جزا ہوگی اور اگر اس کے کسی فعل سے ناپسندیدگی کے اظہار کے طور پر ناک بھوں چڑھائیں یا سردمہری کا رویہ اختیار کریں تو یہ نفسیاتی سزا ہوگی۔ جزا اور سزا، خواہ طبیعی ہو یا نفسیاتی بچے کے اندر اطناب یا کھچاؤ کا یا تو باعث بنتی ہے یا اس میں کمی کرتی ہے۔

مرورِ زمانہ کے ساتھ جزا اور سزا کا فریضہ ماں باپ سے منتقل ہو کر سُپر ایغو کے ذمہ لگ جاتا ہے۔ سُپر ایغو، ایغو کے توسط سے بُرے کاموں کی سزا اور اچھے کاموں کی جزا دیتا ہے۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ سُپر ایغو نہ صرف ایغو کے حقیقی افعال کی جزا یا سزا دیتا ہے بلکہ محض اچھے بُرے خیالات کے ذہن میں اُبھرنے پر ہی ایغو کو قابل تعریف یا قابل مواخذہ قرار دیتا ہے۔ فرائڈ کہتا ہے کہ اڈ کی طرح سُپر ایغو بھی معروضی حقیقت اور موضوعی تصور میں فرق نہیں کر پاتا۔ اس کے لیے بُرے کام کا خیال بھی اتنا ہی ناپسندیدہ اور قابل تعزیر ہے جتنا کہ خود بُرا کام۔ یہی وجہ ہے کہ ایک انتہائی متقی اور پرہیزگار آدمی بھی جس سے بُرے اعمال شاذ ہی سرزَد ہوتے ہوں، ضمیر کے کچوکے محسوس کرتا رہتا ہے۔

سُپر ایغو کی عدالت سے کس طرح کے احکام جزا و سزا جاری ہوتے ہیں، فرائڈ کے نزدیک یہ طبیعی بھی ہوتے ہیں اور نفسیاتی بھی۔ وہ شخص جو کافی عرصے تک نیک کام کرے اسے سُپر ایغو کہتا ہے، ''بہت خوب! تم نے بہت اچھی کارکردگی دکھائی ہے۔ اب تم تفریح کر سکتے ہو!'' یہ تفریح پُرتکلف کھانا بھی ہو سکتا ہے اور جنسی تمتع یا استراحت بھی! مثلاً ہم کہتے ہیں کہ طویل مشقت کے بعد تعطیل اور تفریح ہونا چاہیے۔

اس کے برعکس جو شخص اخلاقی معائب کا مرتکب ہو اُسے سُپر ایغو کہتا، ''اب جب کہ تم گناہ اور اخلاقی بُرائی کے مرتکب ہو چکے ہو تمھیں کسی المناک اور تکلیف دہ صورتِ حال کا شکار بنا کر سزا دی جانا چاہیے۔'' یہ تکلیف دہ اور المناک صورتِ حال پیٹ کی خرابی، چوٹ یا کسی قیمتی چیز کی گمشدگی کی صورت میں رونما ہو سکتی ہے۔ فرائڈ کی اس گہری نفسیاتی بصیرت سے پتا چلتا ہے کہ لوگ کیوں وضعی طور پر بیمار پڑتے ہیں، حادثے

کر بیٹھتے ہیں یا اشیا گم کر دیتے ہیں۔ اکثر اوقات یوں ہوتا ہے کہ لوگوں کی بدقسمتی کے پیچھے سُپر ایغو کی ملامت اور احساسِ گناہ کارفرما ہوتے ہیں اور لوگ کسی نہ کسی طرح خود کو سزا دیتے ہیں۔ اس کی مثال وہ نوجوان ہے جو ایک لڑکی سے جنسی اختلاط کے بعد واپس جاتے ہوئے اپنی کار کو کسی درخت میں مار بیٹھا تھا۔ اس ساری صورت حال میں دلچسپ بات یہ ہے کہ اپنے آپ کو سزا دیتے ہوئے انسان کو یہ پتا نہیں ہوتا کہ ایسا کیوں ہوا ہے۔ ضمیر کی ملامت کے تحت خود تعزیری لاشعوری سطح پر ہوتی ہے۔

نفسیاتی سطح پر سزا و جزا جس کا حکم سُپر ایغو جاری کرتا ہے بالعموم احساس تفاخر یا احساس جرم کی صورت میں سامنے آتے ہیں۔ ایغو جب نیک کام کرے اور اچھے خیالات سوچے تو اس میں احساسِ تفاخر پیدا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس اگر اس سے بُرے کام سرزد ہوں یا یہ بُرے خیالات کی آماج گاہ بن جائے تو اس سے احساسِ جرم یا احساس ندامت پیدا ہوتا ہے۔ تفاخر حُبِ ذات (Self-Love) کے مترادف ہے اور احساسِ جرم نفرتِ ذات (Self-Hate) کے برابر ہے۔ اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو یہ والدین کی ہی محبت و نفرت اور پسندیدگی و ناپسندیدگی کی داخلی صورتیں ہیں۔

ہم کہہ سکتے ہیں کہ سُپر ایغو معاشرے کے رسوم و رواج اور اقدار و روایات کا امین ہوتا ہے جنہیں والدین بچے کے شعور میں راسخ کرتے ہیں۔ اس ضمن میں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ بچے کی شخصیت میں سُپر ایغو والدین کے طرزِ عمل کا غماز نہیں ہوتا بلکہ والدین کے اپنے سُپر ایغو کی عکاسی کرتا ہے۔ سُپر ایغو کی تشکیل میں معلمین، نگران اور پولیس والے بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو شخص بھی بچے پر اختیار (Authority) رکھتا ہے، اس کے سُپر ایغو کی تشکیل میں اپنا کردار ادا کرتا ہے۔

سُپر ایغو کا اصل وظیفہ یہ ہے کہ وہ انسانی شخصیت کو اڈ کی وحشت زدہ تنہائی سے نکال کر ایک مہذب اور معقول انداز میں معاشرے کے اندر رہنا سکھائے۔ اس کا رابطہ ایک طرف اڈ کے ساتھ ہوتا ہے تو دوسری طرف ایغو کے ساتھ! اگر یہ کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا کہ وہ اڈ اور ایغو کے مابین کشمکش میں مصالحانہ کردار ادا کرتا ہے۔ اڈ اگر حیاتی اور نفسی توانائی کا منبع و مصدر ہے اور اگر ایغو خارجی سماجی حالات کو معروضی طور پر سمجھنے کا ایک اُصول ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ سُپر ایغو سماجی رنگ ڈھنگ سیکھنے کا ایک عمل اور

تہذیب وثقافت سے آ گہی حاصل کرنے کا ایک وسیلہ ہے۔

یہاں یہ امر خصوصی طور پر ذہن میں رکھنا چاہیے کہ اڈ ایغو اور سُپر ایغو کے مابین کوئی واضح خطِ امتیاز نہیں کھینچا جا سکتا۔ ان کے علیحدہ علیحدہ وظائف ہیں اور مختلف ناموں سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ تین اکائیاں ہیں۔ اڈ، ایغو اور سُپر ایغو تین اعمال اور وظائف ہیں جو ایک ہی شعوری و نفسی وحدت کے اندر جاری و ساری ہیں۔ ایغو، اڈ سے اُبھرتا ہے اور سُپر ایغو، ایغو سے جنم لیتا ہے۔ ان تینوں کا تفاعل ساری عمر شخصیت کے اندر جاری رہتا ہے۔ شخصیت کی ٹوٹ پھوٹ اور اس کی متوازن تعمیر انہی تینوں اعمال کی ہم آ ہنگی یا غیر ہم آ ہنگی پر مبنی ہے۔

تیسرا باب

شخصیت کا حرکی نظام

گزشتہ باب میں ہم شخصیت کے بُنیادی ڈھانچے اور اساسی عناصر ترکیبی یعنی اڈ، ایغو اور سُپر ایغو کی نوعیت و ماہیت کا جائزہ لے چکے ہیں۔ اس باب میں ہم دیکھیں گے کہ یہ تینوں عناصر ترکیبی باہم دِگر کس طرح تفاعل کرتے ہیں۔

1- نفسی توانائی

انسانی عضویہ ایک پیچیدہ نظام ہے جو بیرونی دُنیا سے خوراک کی صورت میں توانائی حاصل کرتا ہے اور اس توانائی کو اپنے مختلف نظاموں کو چلانے میں استعمال کرتا ہے۔ عضویہ میں کئی نظام ایک عدیم المثال ہم آہنگی اور توازن سے مصروفِ کار ہوتے ہیں۔ مثلاً نظام دوران خون، نظام تنفس، نظام انہضام، نظام اخراج، نظام استخواں اور نظام عصبی۔ ان مختلف عضویاتی نظاموں کو چلانے والی توانائی وہی توانائی ہے جو خارجی کائنات کے کارخانے کو چلا رہی ہے۔ توانائی کی کئی شکلیں ہوسکتی ہیں مثلاً میکانکی توانائی، حرکی توانائی (Thermal Energy)، برقی توانائی، کیمیائی توانائی وغیرہ۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ یہ توانائی کسی ایک صورت سے دوسری صورت میں بھی تبدیل ہوسکتی ہے۔ وہ

توانائی جو شخصیت کے تین اساسی نظاموں کو متحرک کرتی ہے نفسی توانائی (Psychic Energy) کہلاتی ہے۔ یہ توانائی کوئی مافوق الفطرت یا کوئی پُراسرار قوت نہیں۔ توانائی کی عام اور معروف صورتوں کی طرح یہ بھی توانائی کی صورت ہے۔ جس طرح میکانکی توانائی میکانی فعل سرانجام دیتی ہے اسی طرح نفسی توانائی نفسی وظائف میں مدد دیتی ہے۔ مثلاً سوچنا، ادراک کرنا، یاد رکھنا وغیرہ۔ البتہ جسمانی توانائی نفسی توانائی میں اور نفسی توانائی جسمانی توانائی میں تبدیل ہوسکتی ہے۔ مثلاً اگر آپ کسی قسم کی صوتی لہروں (Sound Waves) کو سنیں تو آپ میکانکی قوتوں کے عمل سے آگاہ ہوں گے۔ لیکن یہی صوتی لہریں آپ کے ذہن میں موسیقی کی دل نوازی یا شور وغوغا کی سمع خراشی کا تاثر پیدا کریں گی۔ یہ تاثر ایک نفسی قوت ہے۔ جسمانی قوت کس طرح نفسی قوت میں منقلب ہوتی ہے، اس کے بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے۔(1)

2- جبلت

مختلف وظائف اور اعمال وافعال سرانجام دینے کے لیے ہمیں جس توانائی کی ضرورت ہوتی ہے، وہ جبلتیں فراہم کرتی ہیں۔ جبلت کی تعریف یوں کی جاتی ہے کہ ''یہ پیدائشی یا خلقی رُجحان ہے جو نفسیاتی اعمال کی راہنمائی کرتا ہے۔'' مثلاً جنس کی جبلت ادراک، حافظہ، تفکر وغیرہ جیسے نفسی اعمال کی ہدایت اور راہنمائی کرتے ہوئے عضویہ کو ایک مخصوص ہدف کی طرف لے جاتی ہے۔ جبلت کو ایک ایسے دریا سے تشبیہہ دی جاسکتی ہے جو ہمیشہ اپنے معینہ راستے پر بہتا ہے۔

جبلت کے چار پہلو ہوتے ہیں۔ ایک اس کا سرچشمہ یا منبع (Source) ہوتا ہے، دوسرے اس کا کوئی مقصد (Aim) ہوتا ہے، تیسرے اس کا کوئی معروض (Object) ہوتا ہے اور چوتھے اس کی کوئی قوتِ محرکہ (Impetus) ہوتی ہے۔ ایک جسمانی احتیاج کسی عضو میں تحریک پیدا کرتی ہے جس سے جسم کے اندر ذخیرہ شدہ توانائی کا اخراج شروع ہو جاتا ہے اور متعلقہ جبلت بیدار ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر جسم کو خوراک کی احتیاج ہے تو اس سے بھوک کی جبلت پیدا ہو جائے گی۔ اس کے ساتھ ہی یہ مختلف نفسی اعمال مثلاً ادراک، تفکر، حافظہ وغیرہ کو ہدایات دینا شروع کر دے گا۔ انسان یاد کرے گا

تا کہ خوراک حاصل کر سکے۔ تفکر اور حافظہ کی مدد سے وہ خوراک تک پہنچ جائے گا جو کہ اس کا معروض ہے۔ اس طرح وہ اپنا مقصد پورا کر لے گا۔

جبلت کا اصل مقصد ایک جسمانی تقاضے کی تکمیل ہے۔ مثال کے طور پر بھوک کی جبلت کا اصل مقصد ایک جسمانی تقاضا پورا کرنا ہے۔ جب یہ تقاضا یا احتیاج پوری ہو جائے تو عضویہ میں توانائی کا اخراج بند ہو جاتا ہے اور اسکے ساتھ ہی بھوک کی جبلت بھی غائب ہو جاتی ہے۔ عضویہ جسمانی اور نفسیاتی طور پر پُرسکون ہو جاتا ہے۔ (2) اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جبلت ہمیشہ ایک ''نجات دہندہ'' کا کردار ادا کرتی ہے۔ اسی مناسبت سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہیجان و اضطراب جس قدر شدید ہو گا اسکی فوری تشفی بھی اتنی ہی زیادہ سکون بخش ہو گی۔ بعض لوگ کھانا اس وقت کھاتے ہیں جب بھوک خوب چمک اُٹھتی ہے۔ اسی طرح طویل عرصے بعد جنسی تقاضوں کی تکمیل روزمرہ کے ازدواجی معمولات کی نسبت زیادہ باعث لذت و انبساط ہوتی ہے۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جبلت کا اصل وظیفہ عضویہ کو حالت اطناب سے واپس حالت سکون میں لانا ہے۔ عضویہ میں چونکہ بار بار احتیاجات پیدا ہوتی ہیں اس لیے جبلت بار بار اطناب اور کھچاؤ سے عضویہ کو حالت سکون میں لاتی ہے۔ یہ بار بار کا عمل فرائڈ کی اصطلاح میں ''تکراری جبر'' (Repitition Compulsion) کہلاتا ہے۔ مثلاً دن بھر کی تھکن کے بعد رات کی نیند، دن میں تین بار کھانا کھانا یا وظیفہ زوجیت کی ادائیگی۔

مختصراً ہم کہہ سکتے ہیں کہ جبلت کی نوعیت ہمیشہ رجعی، تکراری اور نجات دینے کی ہے۔

جبلت کا معروض وہ شئے یا وسیلہ ہے جس سے جبلت کا مقصد حاصل ہوتا ہو۔ بھوک کی جبلت کا معروض کھانا، جنس کی جبلت کا مباشرت اور تشدد کی جبلت کا لڑائی جھگڑا ہے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ جبلتوں کے معروض یا وسیلے حالات و واقعات سے بدلتے رہتے ہیں۔ ایک جبلت کی تکمیل کے وسائل دوسری جبلت کے وسائل کی جگہ لے سکتے ہیں۔ جنسی جبلت کی تسکین کا معروض تشدد کی جبلت کے معروض کی جگہ بھی لے سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خطرناک متشددانہ رُجحانات رکھنے والے لوگ محبوباؤں اور بیویوں پر ظلم وستم ڈھاتے ہیں اور بعض حالت میں ان کے قتل کا ارتکاب بھی کر بیٹھتے ہیں۔ جبلی

اہداف کی اس ادل بدل سے شخصیت کی نشوونما میں بہت سے پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں جن سے بحث ہم آگے چل کر کریں گے۔

جبلت کی قوتِ محرکہ (Impetus) توانائی کی وہ مقدار ہے جو اس جبلت کے سرچشمہ سے خارج ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے ابھی کہا ہے کہ شدید بھوک نفسیاتی اعمال پر زیادہ شدت سے اثرانداز ہوتی ہے۔ شدید بھوکا آدمی کم بھوکے انسان سے نسبتاً زیادہ فعال اور سرگرم ہوتا ہے۔ بہت زیادہ بھوک کے عالم مین انسان کی تمام حسیات کھانے کے حصول پر ہی مرتکز ہو کر رہ جاتی ہیں اور دیگر تمام باتیں اس کے حیطہ فکر وعمل سے نکل جاتی ہیں۔ اسی طرح عشق ومحبت کی شدت انسان کے باقی تمام نفسیاتی اعمال کو مفلوج کر دیتی ہے اور ایسا شخص صرف ایک ہی جبلت کے پنجے میں جکڑا جاتا ہے۔

جبلت کا مستقر و مستودع اڈ ہے۔ جبلتیں چونکہ نفسی توانائی کی ہی شکلیں ہیں اس لیے ان کا اصل گھر اور جائے قرار اڈ ہے۔ یہ اڈ ہی سے اُبھرتی ہیں اور واپس اڈ ہی میں لوٹ آتی ہیں۔ جب ایغو اور سُپر ایغو کی تشکیل ہوتی ہے تو توانائی کے ذخیرے سے عضویہ کا رابطہ کٹ جاتا ہے۔ اس سے بھی ہم آگے چل کر بحث کریں گے۔

3- نفسی توانائی کی تقسیم اور اس کا نکاس

(الف) اڈ کی حرکی نوعیت: اڈ کی توانائی اضطرارات یا تکمیل خواہش کے وسیلے سے جبلی تسکین میں استعمال ہوتی ہے۔ بعض اضطرارات ایسے ہیں جن میں توانائی ازخود حرکی فعل کے ذریعہ سے خرچ ہو جاتی ہے۔ مثلاً پیشاب کا خطا ہو جانا یا جنسی عمل میں انتہائے شہوت (Orgasm) لیکن تکمیل خواہش میں توانائی کسی جبلی تمثال (Instinctual Image) بنانے میں صرف ہوتی ہے۔ ان دونوں اعمال کا اصل مقصد یہ ہے کہ کسی جسمانی احتیاج کے تحت پیدا ہونے والے اطناب یا تناؤ سے چھٹکارا حاصل کر کے عضویہ کو دوبارہ حالت سکون میں لوٹایا جائے۔ یہ توانائی خواہ کسی جبلی معروض کے تمثال پر خرچ ہو یا کسی حقیقی معروض جبلت پر، اس کا لازمی نتیجہ سکون و تشفی ہے۔ یہ معروض دونوں صورتوں میں ''انتخاب معروض'' (Object-Choice) یا ''تراکم معروض'' (Object-Cathexis) کہلاتا ہے۔ اڈ کی تمام تر توانائی ''تراکم معروض'' میں صرف ہوتی ہے۔

تراکم میں جو توانائی صرف ہوتی ہے سیال نوعیت کی ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ توانائی آسانی کے ساتھ ایک معروض یا ہدف سے دوسرے معروض یا ہدف پر منتقل ہو جاتی ہے۔ توانائی کی اس منتقلی کو اصطلاح میں ''غیر وضعیت'' یا ''استبدلال'' (Displacement) کہا جاتا ہے۔ چنانچہ بچے کو اگر خوراک دستیاب نہ ہو یا اس کے عضویہ میں کسی غذائی عنصر کی کمی ہو تو وہ انگوٹھا چوسنے یا کوئی اور شے چبانے کا عادی بن جاتا ہے۔ اگر معروضات (Objects) میں مشابہت یا کوئی قدر مشترک ہو تو ان کو اڈ کے نقطۂ نظر سے یکساں یا مترادف قرار دیا جائے گا۔ بچہ کے لیے دودھ کی بوتل اور چوسنی ایک ہی جیسے ہیں کیونکہ دونوں کو وہ ہاتھ سے پکڑ کر منہ تک لے جا سکتا ہے۔ چونکہ اڈ اپنے معروضوں اور اہداف کے مابین تخصیص و تمیز کرنے کی اہلیت سے یکسر محروم ہے اس لیے اس کی توانائی ایک معروض سے دوسرے معروض پر سرعت کے ساتھ منتقل ہو جاتی ہے۔

اس استبدالی نوعیت کی وجہ سے اڈ مختلف اشیا اور معروضوں کو اختلاف کے باوجود یکساں سمجھتی ہے۔ چنانچہ اڈ کی استبدالی نوعیت سے فکر و آگاہی کی ایک مسخ شدہ شکل (Distorted Form) پیدا ہوتی ہے جسے فرائڈ ''محمولی تفکر'' (Predicate Thinking) کا نام دیتا ہے۔ مثال کے طور پر کھمبا اور مردانہ عضو تناسل جب اپنی سطحی مماثلت کی بنیاد پر ایک شخص کے ذہن میں گڈ مڈ ہو جائیں تو وہ ''محمولی تفکر'' کا شکار ہو جائے گا۔ ایسا تفکر خاص طور پر خوابوں کی ایک نمایاں خصوصیت ہے۔ گھڑ سواری یا کھیت میں ہل چلانے کا عمل جنسی فعل کے مماثل ہے کیونکہ دونوں کے مابین حرکات و سکنات کی یکسانی پائی جاتی ہے۔ ''محمولی تفکر'' بیداری کے دوران میں بھی وقوع پذیر ہو سکتا ہے جس سے پریشاں خیالی اور اُلجھاؤ پیدا ہونے کا امکان ہوتا ہے کیوں کہ انسان اس حالت میں اشیا کے مابین فرق اور تمیز کھو بیٹھتا ہے۔ فرائڈ کہتا ہے کہ نسلی تعصب عموماً اسی محمولی فکر کا پیدا کردہ ہوتا ہے۔ حبشیوں کا رنگ کالا ہوتا ہے اور کالا رنگ اندھیرے اور شر کی علامت ہے اس لیے حبشیوں کو بد باطن اور خبیث سمجھا جاتا ہے۔ سرخ بالوں والے کو آتشیں مزاج کا حامل سمجھا جاتا ہے کیوں کہ سرخ رنگ آگ کی علامت ہے۔

ایغو یا سُپر ایغو جب اڈ کی توانائی کے بہاؤ کو روکتے ہیں تو توانائی کا یہ سیل بلاخیز تمام مزاحمتوں کو توڑ کر اپنا مقصود حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اگر اسے خارج

میں معروضی حقائق تک رسائی نہ مل سکے تو یہ واہموں اور تخیلاتی کرشموں کی ایک دُنیا تخلیق کر لیتا ہے۔(3) اس میں کوئی شبہ نہیں کہ واہموں اور خوابوں کی دُنیا میں اسے نکاسی کا راستہ تو مل جاتا ہے لیکن اس کی قیمت اسے یہ چکانی پڑتی ہے کہ اس کا رابطہ معرضی دُنیا سے کٹ جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ شخص بولنے اور لکھنے میں، سوچنے اور ادراک کرنے میں غلطیاں کرنے لگتا ہے، بلکہ اس سے حادثے بھی سرزد ہونے لگتے ہیں۔ اس کی قوت فیصلہ اور قوت استدلال سرکش خواہشوں کی یلغار کے سامنے بہت کمزور پڑ جاتی ہیں۔ ہر کوئی یہ جانتا ہے کہ کسی بھوکے یا جنسی طور پر محروم شخص کے لیے اپنے کام پر توجہ مرکوز رکھنا کتنا مشکل ہے۔ جب اڈ کی توانائی کو نکاسی کا راستہ نہیں ملتا تو اس توانائی کو الیغو اور سُپر الیغو اپنے وظائف کی تکمیل کے لیے اپنے تصرف میں لے آتے ہیں۔

(ب) الیغو کی حرکی نوعیت: الیغو کے پاس اپنی ذاتی توانائی نہیں ہوتی۔ چنانچہ الیغو صرف اسی صورت میں اپنے وظائف ادا کر سکتا ہے جب اسے اڈ توانائی فراہم کرے۔ الیغو کے اعمال تفکر، ادراک، حافظہ وغیرہ شروع سے وہبی طور پر تو موجود ہوتے ہیں لیکن یہ اس وقت تک خوابیدہ رہتے ہیں جب تک انہیں توانائی میسر نہ آئے۔ توانائی کی بہم رسانی کے ساتھ ہی یہ رُجحانات بیدار ہو کر فعال ہو جاتے ہیں۔ اس طرح الیغو کے طویل اور صبر آزما سفر کا آغاز ہوتا ہے۔

اس امر کا پہلے تذکرہ ہو چکا ہے کہ اڈ کے لیے معروضی شے اور اس کے موضوعی تمثال میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ جس طرح توانائی کسی معروضی شے کے تراکم میں صرف ہوتی ہے، اسی طرح اس کے تمثال بنانے میں بھی صرف ہوتی ہے۔

جب اڈ کو اطناب کی کیفیت ختم کرنے میں ناکامی ہوتی ہے تو ایک دوسرا اُصول الیغو کی صورت میں منتقل ہوتا ہے جو ایک معروضی شے اور اس کے تمثال کے مابین واضح فرق و امتیاز کرتا ہے۔ اس طرح تمثال اور معروضی شے کو مترادف سمجھنے کا رُجحان ختم ہو جاتا ہے اور موضوعی دُنیا اور معروضی دُنیا کی علیحدگی جنم لیتی ہے۔ موضوعی دُنیا تمثالات، واہموں اور خیالات کی دُنیا ہے جب کہ معروضی دُنیا ٹھوس حقائق اور لذت کے اہداف کی دُنیا ہے۔ اب تسویہ اور توازن کے لیے ضروری ہے کہ دونوں دُنیاؤں میں مناسب ہم آہنگی پیدا ہو۔ اگر موضوعیت اور معروضیت میں توازن اور ہم آہنگی کا فقدان ہو گا تو نتیجتاً

شخصیت کے اندر بھی ٹوٹ پھوٹ شروع ہو جائے گی۔

مثال کے طور پر جب ایک بھوکے آدمی کے ذہن میں خوراک کا ایک ذہنی تمثال اُبھرتا ہے تو وہ خارجی دُنیا میں ایک حقیقی شے کو ڈھونڈتا ہے جو کہ اس تمثال کے عین مطابق ہو۔ اگر اس کا ذہنی تمثال درست ہے تو مطلوبہ شے خوراک ہی ہو گی۔ اگر یہ تمثال درست نہیں تو عمل اور تجربے سے اس کی اصلاح کی جائے گی اور حقیقی خوراک کی تلاش جاری رہے گی ورنہ بھوکا آدمی فاقے سے مر جائے گا۔

اصلاح کا یہ عمل مسلسل جاری رہتا ہے اور اس کی وجہ سے ہی علم و ہنر میں ہمیشہ ترقی ہوتی رہتی ہے۔ ایک وقت تھا جب انسان کا کرۂ ارض کے بارے میں یہ تصور تھا کہ یہ مسطح ہے۔ وہ سورج کو متحرک اور زمین کو اس کا غیر حرکت پذیر مرکز سمجھتا تھا۔ لیکن علم اور تجربے سے اس نے اپنے ان ذہنی تصورات کی اصلاح کی اور زمین کو مدوّر قرار دیا جو کہ سورج کے گرد گھوم رہی ہے۔

جبلی اور عضویاتی تقاضوں کی تکمیل کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ ذہن میں خارجی حقائق و اشیا کی جو تصویریں اور شبیہیں تیار ہوں، وہ بالکل درست اور اصل کے عین مطابق ہوں۔ ذہن کی موضوعی دُنیا میں خارجی ماحول کی جتنی عمدہ اور ثقہ عکاسی ہو گی اُتنا ہی کوئی لائحہ عمل زیادہ موثر اور قابل عمل ہو گا۔

اڈ کی توانائی جسے خارجی ماحول کا کوئی ادراک نہیں، اب ایسے تمثالات بنانے میں خرچ ہونا شروع ہوتی ہے جو کہ خارجی دُنیا کی صحیح نمائندگی کرتے ہیں۔ اس مرحلے پر تکمیل خواہش کی جگہ منطقی سوچ لے لیتی ہے۔ اس طرح توانائی کا رُخ لذت کوشی سے منعطف ہو کر وقوفی اور منطقی عمل کی طرف ہو جاتا ہے۔ یہ ایغو کی تشکیل کا اولین مرحلہ ہے۔ لیکن یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ شخصیت کی یہ مطابقت موضوعی دُنیائے ذہن اور معروضی دُنیائے حقائق کی تخصیص و تفریق پر قائم ہے۔ اب شعوری اور فکری سطح پر تمثال اور معروض تمثال کو مترادف نہیں سمجھا جا سکتا۔ ذہن اور کائنات یا موضوع اور معروض کی یہ تخصیص پیدا کرنے کے دو عوامل ہیں، خیبت (Frustation) اور آموزش (Learning)۔ ہم پہلے اس امر سے تعرض کر چکے ہیں کہ اڈ ایک حد تک اپنا سامان تسکین خود فراہم کر لیتی ہے یعنی اضطرارات اور تکمیل خوہش ایک حد تک عضویہ کی

ضروریات پورا کر سکتے ہیں۔ لیکن عضویہ کو یہ سیکھنا پڑتا ہے کہ خیال وتمثال اور حقیقت میں بڑا فرق ہے۔ محض کھانے کا خیال پیٹ نہیں بھر سکتا۔ اس لیے عضویہ کو اپنی بقا کے لیے حقیقی اشیائے تسکین کو دریافت کرنا پڑتا ہے۔ خیال اور حقیقت کے مابین فرق و امتیاز کرنے کا رُجحان پیدائشی ہوتا ہے اور آہستہ آہستہ یہ ایک واضح راہنما اُصول کی حیثیت میں منتقل ہوتا ہے۔ بچہ شروع سے موضوعی تصورات اور معروضی حقائق میں تمیز کرنا سیکھنے لگتا ہے۔ تعلیم و تجربہ سے یہ صلاحیت بڑھتی پھولتی ہے اور اس میں یہ اہلیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ معروضی حقیقت کے درست تمثال وضع کر سکے، اور ان میں فرق و امتیاز کو ملحوظ رکھ سکے۔

اڈ اور ایغو دونوں خارجی اشیا کے تمثال وضع کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں، مگر ان میں فرق یہ ہے کہ اڈ تمثال اور معروضی شے کو متماثل (Identical) یا مترادف سمجھتی ہے اور جس طرح حقیقی شے اس کی تسکین کا باعث بنتی ہے ویسے ہی اس کا تمثال اس کے لے وجہ تسکین و قرار ہوتا ہے۔ لیکن ایغو حقیقی شے کو الگ شے سمجھتا ہے اور اس کے تمثال کو الگ، ایغو کے اس عمل کو شناخت تمثال (Indentification) کہا جا سکتا ہے۔ اس فرق کو ایک مثال سے واضح کیا جا سکتا ہے۔ فرض کیجیے کوئی شخص خواب میں دیکھتا ہے کہ ایک شیر اس کا تعاقب کر رہا ہے۔ اب عالم خواب میں وہ شیر کے تمثال اور شیر کے مابین فرق نہیں کر سکے گا۔ لہٰذا اس کے عضویہ پر خوف واضطراب کی وہی کیفیات رونما ہو جائیں گی جو وہ اصل شیر کے تعاقب کرنے پر محسوس کرے گا۔ ایسے میں اگر اس کی آنکھ بھی کھل جائے تو چند لمحوں کے لیے حقیقت اور خوب میں تخصیص کرنے کے قابل نہیں ہوگا اور اپنے جسم میں چٹکیاں بھر کے یہ یقین حاصل کرے گا کہ وہ بیدار ہو گیا ہے۔ یہی حال واہمہ (Hallucination) میں ہوتا ہے۔ لیکن ایغو کی شناخت تمثال اس سے مختلف عمل ہے۔ ایک شکاری جب اپنے شیر کے شکار کے واقعات کو ذہن میں تازہ کرتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ اس کے ذہن میں اُبھرنے والے تمثالات اصل کی نقل ہیں۔ آپ اگر ٹیلیوژن دیکھ رہے ہوں یا کوئی سنسنی خیز ناول پڑھ رہے ہوں تو اپ تصویروں اور الفاظ کو حقیقی نہیں بلکہ حقیقی کرداروں اور واقعات کی علامت یا ان کا استحضار (Representation) سمجھیں گے۔

موضوعی تمثالوں اور معروضی اشیا کی تخصیص کرنے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ تراکمات (Cathexes) جو کہ پہلے اڈ کے انتخاب معروض (Object-Choice) کے ضمن میں ہوتے تھے اب حقیقی اشیا کے حوالے سے ہوتے ہیں۔ انہیں ایغوئی تراکمات (Ego-Cathexes) کا نام دیا جاتا ہے۔ اس عمل کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بہت سی توانائی جو اڈ کے اندھے عمل میں ضائع ہو جاتی تھی، بچ جاتی ہے اور ایغو اسے اپنے عقلی، فکری اور حیقت پسندانہ اعمال (ثانوی اعمال) میں استعمال کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ توانائی کا بہاؤ ایغو کے مثبت اعمال کی طرف ہو جانے سے شخصیت کی تعمیر و ترقی میں ایک اہم پیش رفت ہوتی ہے۔

چونکہ اڈ کے جبلی تقاضوں کے تسکین کے لیے ایغو کی کاوشیں بہت موثر اور حقیقت پسندانہ ہوتی ہیں، اس لیے اڈ کے محفوظ ذخیرہ توانائی میں سے زیادہ سے زیادہ توانائی ایغو کو فراہم کرنے کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ جوں جوں ایغو توانا اور مضبوط ہوتا جاتا ہے، اڈ کی سرکش قوتیں ضعف کا شکار ہوتی جاتی ہیں۔ لیکن اگر کسی وجہ سے ایغو حصولِ لذت میں ناکام ہو جائے تو ایغو کے تراکمات، اصل جبلی تراکمات معروض (Object-Cathexes) میں بدل جاتے ہیں اور توانائی کا بہاؤ ایک بار پھر اڈ کی طرف ہو جاتا ہے اور بچپن کی تکمیل خواہش کا عمل پھر شروع ہو جاتا ہے۔ خواب دیکھتے ہوئے یہی ہوتا ہے۔ نیند کے دوران ایغو کا کردار فعال اور موثر نہیں رہتا۔ اس لیے اڈ کا ابتدائی عمل متحرک اور فعال ہو جاتا ہے اور واہموں اور تمثالوں کے سلسلے کی صورت میں خوابوں کی دُنیا آباد جو جاتی ہے۔ یہ عمل جاگتے ہوئے بھی ہوسکتا ہے۔ اگر ایغو تسکین خواہش کا مطلوبہ نتیجہ حاصل کرنے میں ناکام ہو جائے تو بیداری کے خوابوں میں تکمیل خواہش کا عمل شروع ہو جائے گا۔

کوئی شخص اگر کسی بات کو سچ تسلیم کرنے کی شدید خواہش رکھتا ہے تو وہ اکثر اس احمقانہ سوچ کا شکار ہو جاتا ہے کہ وہ بات واقعی سچ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے تعصّبات اور طبعی میلانات اکثر ہماری سوچ کو اپنے رنگ میں رنگ لیتے ہیں اور ہمیں حقائق اپنے اصل رنگ و روپ میں نظر نہیں آتے۔ بھوکا دو اور دو چار روٹیاں کہے گا یا چاند کو روٹی کی ایک شکل قرار دے گا۔ یہ بات عام آدمی کے بارے میں ہی نہیں معروضی

مشاہدہ کرنے والے سائنس دان کے لیے بھی درست ہے۔ اسے بھی حقیقت حال اور امر واقعی کے مشاہدہ کے لیے اپنے نظریاتی تعصّبات اور طبعی میلانات کو ایک طرف رکھنا پڑتا ہے۔ تکمیل خواہش سے متاثرہ سوچ (wishful thinking) ایک عام آدمی کو تو فریب دیتی ہی ہے، یہ بڑے بڑے مفکروں اور علما و حکما کے لیے بھی دامِ تزویر بچھاتی ہے۔(4)

عام حالات میں ایغو نفسی توانائی کے معتد بہ حصہ پر قابض ہو کر اسے اپنے تصرف و استعمال میں لے آتا ہے۔ ایغو اس توانائی کو اڈ کی جبلی تسکین کے لیے استعمال نہیں کرتا بلکہ اسے متعدد اعلیٰ ذہنی اعمال مثلاً تفکر، ادراک، حافظہ وغیرہ کے لیے استعمال کرتا ہے۔ توانائی کے ایغو کے قبضہ و اختیار میں آ جانے سے یہ ذہنی اعمال بہت زیادہ وسعت، ہمہ گیری اور گہرائی حاصل کر لیتے ہیں۔ انسان کے علم و تجربہ میں جیسے جیسے اضافہ ہوتا جاتا ہے ویسے ویسے حیات و کائنات نئے نئے مفاہیم و معانی اختیار کرتے جاتے ہیں اور انسان حقائق کو اپنے مقاصد کے مطابق زیادہ بہتر طریقے سے ڈھالنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اس طرح نہ صرف فرد انفرادی طور پر اپنی شخصیت کی تعمیر بہتر طور پر کر سکتا ہے بلکہ ایغو کا ارتقا اور اڈ کی توانائی کا عقلی استعمال بنی نوع انسان کی ثقافتی، تہذیبی اور سائنسی ترقی کا ضامن بھی بن جاتا ہے۔

ایغو توانائی پر تصرف و اختیار حاصل کرنے کے بعد اس کا کچھ حصہ اس توانائی کا زائد اخراج روکنے یا موخر کرنے کے لے مختص کر دیتا ہے جو کہ حرکی نظام کے تحت ہمہ وقت مائل بہ عمل رہتی ہے۔ اس امتناع و تاخیر کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایغو ماحول سے نبرد آزما ہونے کے لیے حقیقت پسندانہ انداز میں منصوبہ سازی کر سکے اور توانائی کی ہیجان خیزی اس عمل میں دخل اندازی نہ کر سکے۔ جب توانائی کو توانائی کے ہی ہیجان خیز اور مضطرب بہاؤ کے آگے بند کی صورت میں باندھا جاتا ہے تو ان امتناعی قوتوں کو اصطلاح میں ''مزاحمتی تراکمات'' (Anti-Cathexes) کہا جاتا ہے(5)، جو کہ اڈ کے ان تراکمات کے خلاف مزاحمت کرتے ہیں جو کہ توانائی کو فوری تسکین کے لیے مضطرب و متحرک رکھتے ہیں۔ ایغو اور اڈ کی سرحدوں کو دو ملکوں کی سرحدوں سے تشبیہہ دی جا سکتی ہے جو کہ ایک دوسرے پر یلغار کرنے کی تاک میں رہتے ہیں۔ ایغو اڈ کی یلغار سے بچنے کے لیے

مورچے، قلعے یا پشتے یعنی ''مزاحمتی تراکمات'' (Anti-Cathexes) تعمیر کرتا ہے۔ جب ایغو کے مزاحمتی تراکمات غیر موثر اور ناکافی ثابت ہوتے ہیں تو اڈ کے ''تراکمات معروض'' (Object-Cathexes) ایغو پر غلبہ و استیلا حاصل کر لیتے ہیں اور اس سے اضطراری اور اُلجھتی (Impulsive) رویہ عود کر آتا ہے۔ جب کوئی معقول اور اعتدال پسند آدمی مشتعل ہو جائے تو دراصل اس کے ایغو کے مزاحمتی تراکمات ناکام ہو جاتے ہیں۔

یہاں یہ ذکر بے جا نہ ہو گا کہ ایغو توانائی کو نفسی اعمال اور مزاحمتی تراکمات کے علاوہ نئے تراکمات معروض بنانے میں بھی صرف کرتا ہے۔ ایسے تراکمات سے براہِ راست عضویہ کی جبلی تسکین نہیں ہوتی لیکن تلازمی رشتوں کے ناتے عضویہ کسی حد تک تسکین پا جاتا ہے۔ انہیں بالواسطہ تسکین کے ذیلی راستے کہا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر بھوک کی جبلت کئی ایسے ذیلی راستے تلاش کر لیتی ہے جن کا شکم سیری سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں ہوتا اور اگر کوئی تعلق ہوتا ہے تو وہ صرف تلازمات کا ہوتا ہے۔ کوئی شخص اگر کھانے پکانے کی ترکیبیں اور کھانوں کی کتابیں اکٹھی کرنی شروع کر دے یا اعلیٰ درجے کے ریستورانوں کی تلاش میں رہے یا تمام سہولتوں سے مزین مطبخ تعمیر کرنے کی دُھن میں لگ جاتے تو یہ تمام دلچسپیاں اگرچہ جبلت جوع (بھوک کی جبلت) سے متعلق ہوں گی لیکن ان میں سے کوئی بھی براہِ راست اس کے پیٹ کی آگ نہیں بجھا سکے گی۔

ایغو کے پاس توانائی کا وافر ذخیرہ جمع ہو جاتا ہے کیونکہ یہ اپنے عقلی اور غیر جبلی وظائف میں توانائی کو نہایت کفایت شعاری سے استعمال کرتا ہے۔ اس طرح فارغ اوقات میں تفریح کے لیے اس کے پاس کافی مقدار میں توانائی بچ جاتی ہے جو ایغو کی دیگر دلچسپیوں میں صرف ہو سکتی ہے۔

توانائی کے استعمال کا ایک اور پہلو بھی ہے۔ ایغو توانائی کی کچھ مقدار کو تینوں نظاموں، اڈ، ایغو اور سُپر ایغو کے باہمی تعامل و توافق میں بھی صرف کرتا ہے۔ خارجی ماحول کے تقاضوں کو بہتر طور پر پورا کرنے کے لیے ایک متوازن اور ہم آہنگ شخصیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیے ایغو شخصیت کے تینوں نظاموں کے توازن اور ہم آہنگی کو حقیقی بنانے کے لیے توانائی کا کچھ حصہ خرچ کرتا ہے۔ اگر ایغو یہ فریضہ بطریق احسن سرانجام دے تو اڈ، ایغو اور سُپر ایغو ایک ہم آہنگ اور متوازن شخصیت کی وحدت میں

سموئے جاتے ہیں۔

اگر اڈ اور ایغو کی توانائی کا موازنہ کیا جاتے تو ایغو کی توانائی اڈ کی توانائی کی بہ نسبت کم سیال اور زیادہ متعین ہوتی ہے۔ اڈ کی توانائی نہایت آسانی کے ساتھ اِدھر اُدھر منتقل ہو جاتی ہے۔ لیکن ایغو کی توانائی متعین اور کسی مقصد کے لیے مختص ہوتی ہے۔

دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایغو کی توانائی صرف ذہنی اعمال کے لیے ہی مخصوص ہے۔ اڈ کی طرح اسے اضطراری طرزِ عمل اور جبلی تسکین کے لیے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ الغرض یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایغو کی توانائی (الف) ذہنی اعمال میں خرچ ہوتی ہے (ب) مزاحمتی تراکمات بنانے میں خرچ ہوتی ہے، (ج) شخصیت کے تینوں نظاموں کے اتحاد و یگانگت کے لیے خرچ ہوتی ہے اور (د) ایغو کی دلچسپیاں یا رغبتیں (Ego Interests) بنانے میں خرچ ہوتی ہے۔ اس آخری مقصد سے ہم آگے چل کر تعرض کریں گے۔

(ج) سُپر ایغو کی حرکی نوعیت: سزا کا خوف اور جزا کی طلب بچے کو ماں باپ کے اخلاقی رویے اپنانے پر مجبور کرتے ہیں۔ ماں باپ کے اخلاقی رویوں کو اپنانے کی اس کوشش سے سُپر ایغو کی تشکیل ہوتی ہے۔ ایغو کی تعمیر میں اُصول حقیقت اور حقائق کا معروضی مشاہدہ بُنیاد بنتا ہے۔ لیکن سُپر ایغو کی تشکیل میں والدین کی اتھارٹی اور ان کے کردار و سیرت کی مثل اعلیٰ بُنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔

بچہ کے لئے اس کے والدین مطلق العنان حکمران ہوتے ہیں۔ ان کے احکام و نواہی سے وہ سرتابی نہیں کر سکتا۔ چونکہ سُپر ایغو کی تشکیل والدین کے نمونہ پر ہی ہوتی ہے اس لیے خود سُپر ایغو سزا اور جزا کا ایک نظام وضع کر لیتا ہے۔ سزا دینے کے لئے سُپر ایغو کا ایک اُصول ''ضمیر'' اور جزا کے لیے دوسرا اُصول ''ایغو آئیڈیل'' ہے۔

ضمیر کے نواہی دراصل ایسے امتناعات (Inhibititions) یا مزاحمتی تراکمات ہیں جو جبلی توانائی کے اضطراری تقاضوں کو یا تو براہِ راست روک دیتے ہیں یا ایغو کے توسط سے روک دیتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ سُپر ایغو اڈ اور ایغو دونوں کے وظائف کو معطل اور موخر کر سکتا ہے۔ جس شخص کا ضمیر بہت قوی ہو، وہ ہر وقت غیر اخلاقی رُجحانات پر کڑی نگاہ رکھتا ہے۔ اس کام میں وہ اتنی توانائی خرچ کر دیتا ہے کہ اس کے

پاس تعمیری اور مثبت کام کے لیے توانائی نہیں بچتی اور وہ بے عملی کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے۔

سُپر ایغو کے مزاحمتی تراکمات کی نوعیت ایغو کے مزاحمتی تراکمات سے مختلف ہوتی ہے۔ ایغو کے مزاحمتی تراکمات کا مقصد جبلی تقاضوں کو وقتی طور پر روکنا ہوتا ہے۔ اس کی یہ تاثیر و تعطل اڈ کے مفاد میں ہوتی ہے۔ وہ اڈ کے تقاضوں کو بہتر طور پر پورا کرنے کے لیے مناسب منصوبہ بندی کرتا ہے۔ لہٰذا اسے صرف مہلت اور وقت درکار ہوتا ہے۔ وہ اڈ کے جبلی تقاضوں کی نفی نہیں کرتا۔ اس کی برعکس سُپر ایغو تو اڈ کے تقاضوں کی نفی ہی کر دیتا ہے۔ سُپر ایغو اڈ کے مطالبات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتا ہے جبکہ ایغو صرف انتظار کرنے کے لیے کہتا ہے۔

ایغو آئیڈیل جو کہ سُپر ایغو کا ایک ذیلی اُصول ہے، اعلیٰ ترین کارکردگی اور حصول کمال کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ اس کی توانائی ان اُصولوں کے لیے خرچ ہوتی ہے جو کہ شخصیت میں والدین کی تعلیم و تربیت نے راسخ کر دیے ہوتے ہیں۔ اس طرح سُپر ایغو والدین کی نمائندگی کرنے لگتا ہے۔ حصولِ کمال کی کوشش میں توانائی کا خاصا جصہ خرچ ہو جاتا ہے۔ جس شخص کی توانائی کا وافر حصہ ایغو آئیڈیل کے لیے وقف ہوگا وہ زندگی کے اخلاقی پہلوؤں کو ہر معاملے میں ترجیح دے گا۔ ایسے شخص کے لیے صداقت سے زیادہ اہمیت اخلاقی فضیلت کی ہوتی ہے۔

سُپر ایغو کے اخلاقی معیار کی پابندی سے ہے ایغو کو تفاخر کا احساس ہوتا ہے۔ احساس تفاخر گویا انعام ہے جو سُپر ایغو، ایغو کو اس کے مستحسن کردار پر اسے عطا کرتا ہے۔ یہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے اس تعریف و توصیف سے مشابہہ ہے جو کہ والدین اپنے بچوں کے اچھے طرزِ عمل پر کرتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر ایغو کوئی ایسا طرزِ عمل اختیار کرے جو سُپر ایغو کے نظر میں غیر مستحسن ہو تو سُپر ایغو اس کی ایغو کو سزا دیتا ہے اور ایغو شرمندگی اور احساسِ جرم کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہ صورتِ حال بھی اس صورتِ حال کی طرح ہے جس میں والدین اپنے بچوں کو غلط کاری پر سزا دیتے ہیں۔ احساسِ تفاخر بھی ایک قسم کی نرگسیت (Narcissism) ہے کیونکہ ایغو خود اپنی ہی ستائش اور توصیف کرتا ہے کہ اس نے اخلاقی اور مستحسن طرزِ عمل اختیار کیا ہے۔ اکثر کہا جاتا ہے، ''نیکی اپنی جزا خود ہے۔'' اسی اعتبار سے کہا جا سکتا ہے، ''بدی خود اپنی سزا ہے۔''

گزشتہ صفحات میں ہم نے اس عمل کا جائزہ لیا ہے جس کے ذریعہ سے توانائی ایغو اور سُپر ایغو کو فراہم ہوتی ہے۔ اس توانائی کو اڈ کے دو مقاصد یعنی حصولِ لذت اور گریز الم کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ ہم نے یہ بھی دیکھا کہ کس طرح ایغو اڈ کی حمایت میں سرگرم اور فعال رہتا ہے۔ اس کے برعکس یوں محسوس ہوتا ہے جیسے سُپر ایغو اڈ کی غیر اخلاقی جبلتوں کا ازلی دُشمن ہے۔ تاہم سُپر ایغو اڈ اور ایغو کے مابین درمیانی کردار ادا کر کے اڈ کے لیے باعث تسکین بھی بن سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک اخلاق پرست (Moralistic) آدمی کا سُپر ایغو بہت توانا ہوگا اور ایغو کے خلاف جارحیت اختیار کرے گا۔ وہ ایغو کو ندامت اور احساسِ جرم وگناہ کا شکار بنائے۔ اس طرح کا آدمی اپنے آپ کو بھی نقصان اور ایذا پہنچا سکتا ہے۔ لیکن اپنے آپ کو ایذا رسانی سے بھی اڈ کا ایک مقصد حاصل ہو جائے گا کیونکہ اس سے اڈ کے جارحانہ رجحانات کی تسکین ہو گی۔ ایسے لوگ بعض اوقات خودکشی کا ارتکاب بھی کر بیٹھتے ہیں۔

کسی اخلاق پرست شخص کی اڈ کے لیے اس کا سُپر ایغو ایک اور طرح سے بھی سامانِ تسکین فراہم کرتا ہے۔ ایسا شخص دوسرے لوگوں کے غیر اخلاقی اور شرم ناک رویوں پر سخت تنقید و جرح کرے گا بلکہ بعض حالات میں عملی طور پر تشدد کرنے پر بھی اُتر آئے گا۔ اس طرح اس کی اڈ اپنی جارحیت پسندی کی تسکین کرے گی۔ نام نہاد اخلاقی اور مذہبی اقدار کے جنون میں تشدد اور ظلم وستم کے واقعات ہر معاشرے میں مل جاتے ہیں۔ ازمنہ وسطیٰ میں تعزیر ارتداد (Inquisition) کے مذہبی جنون میں لاکھوں افراد موت کے گھاٹ اُتار دیے گئے تھے۔ اسی طرح نازیوں نے قوم پرستی کے جنون میں قتل عام کو روا رکھا۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ ان انسانیت سوز اقدامات کے پیچھے مجنونانہ اخلاقی جذبات کارفرما تھے جو دراصل انسان کی دورِ وحشت کی بربریت کے غماز تھے۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس طرح کے حالات میں لوگوں کا سُپر ایغو بدعنوان اور مسخ ہو جاتا ہے۔

اڈ اور سُپر ایغو کے مابین ایک اور قدر مشترک ہوتی ہے۔ دونوں غیر عقلی انداز میں سرگرمِ کار رہتے ہیں اور حقیقت کی شکل مسخ کر دیتے ہیں۔ بلکہ اس کے بجائے ہمیں یہ کہنا چاہیے کہ یہ دونوں ایغو کی حقیقت پسندانہ سوچ کی شکل بگاڑ دیتے ہیں۔ سُپر ایغو، ایغو کو مجبور کرتا ہے کہ وہ حقائق کو جیسے کہ وہ ہیں، ویسے نہ دیکھے بلکہ اس طرح دیکھے جیسے کہ

انہیں ہونا چاہیے۔ یعنی حقائق کو سُپر ایغو کی اخلاقی عینک سے دیکھے۔ دوسری طرف اڈ ایغو کو مجبور کر دیتی ہے کہ وہ حقائق اس کی خواہشات اور تمناؤں کے حوالے سے دیکھے۔ دونوں صورتوں میں ایغو کا عقلی وظیفہ بُری طرح مسخ ہو جاتا ہے۔ ایغو نہ تو غیر جانب دارانہ انداز میں حقائق کا ادراک کرنے کے قابل رہتا ہے اور نہ ہی وہ حالات و واقعات کا بے لاگ تجزیہ کر کے بہتر اور قابل عمل حل نکال سکتا ہے۔

یہاں ہمیں یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ نفسی توانائی کی مقدار معین اور محدود ہوتی ہے۔ اگر ایغو توانا ہو گا تو اڈ اور سُپر ایغو کمزور پڑ جائیں گے۔ اور اگر سُپر ایغو توانا ہو گا تو ایغو اور اڈ کمزور پڑ جائیں گے۔ علیٰ ہٰذاالقیاس شخصیت کا کوئی ایک شعبہ بھی اگر غیر معمولی طور پر تونگر ہو گا تو وہ دوسرے شعبہ یا شعبوں کو کمزور کر دے گا۔ شخصیت کے حرکی نظام کا دارو مدار شخصیت کے تمام شعبوں میں توانائی کی تقسیم و ترسیل پر ہے اور ایک شخص کے طرزِ عمل کا تعین اس کی شخصیت کے حرکی نظام سے ہوتا ہے۔ اگر توانائی کے وافر حصے پر سُپر ایغو قابض ہو جائے تو وہ شخص اخلاق پرست بن جائے گا۔ اگر اس پر ایغو قابض ہو جائے تو وہ شخص بے رحمی کی حد تک حقیقت پرست بن جائے گا۔ اگر توانائی کے ذخیرے پر صرف اڈ ہی کی اجارہ داری ہو تو ایسا شخص حیوانی جبلتوں کے ہاتھ میں کھلونا بن کر رہ جائے گا اور اس کا طرزِ عمل اضطراری اور جبلی ہو گا۔

(د) تراکمات اور مزاحمتی تراکمات: فرائڈ کے نزدیک نفسی زندگی میں دو متضاد قوتوں کی آویزش جاری رہتی ہے۔ کچھ قوتیں ایسی ہیں جن میں تحریک، انگیخت اور تہیج وغیرہ پائے جاتے ہیں۔ یہ قوتیں اڈ کی بُنیادی قوتیں ہیں اور عضویہ کو آمادۂ عمل کرتی ہیں۔ لیکن کچھ قوتیں ایسی بھی ہیں جو ان قوتوں کی راہ مس دیوار بنتی ہیں اور اول الذکر قوتوں کے عمل کو روکنے کی کوشش کرتی ہیں۔ اول الذکر قوتوں کو تراکمات (Cathexes) اور موخرالذکر قوتوں کو مزاحمتی تراکمات (Anti-cathexes) کہا جاتا ہے۔

گزشتہ صفحات میں ہم یہ دیکھ آئے ہیں کہ اڈ صرف تراکمات پر مشتمل ہوتی ہے جب کہ ایغو اور سُپر ایغو میں تراکمات کے ساتھ مزاحمتی تراکمات کا بھی ایک اُصول کارفرما ہوتا ہے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ ایغو اور سُپر ایغو اڈ کی سرکش قوتوں کو قابو میں رکھنے کے لیے ہی وجود پذیر ہوتے ہیں۔ اڈ بُنیادی طور پر حیاتی اور نفسی توانائی کا

ذخیرہ ہے جس میں بے پناہ تحرک اور قوت عمل ہے۔ لیکن اڈ کی تمام تر توانائی اندھی، بہری، سرکش اور عقل و خرد سے بیگانہ ہے۔ چنانچہ ان قوتوں کو لگام پہنانے کے لیے ایغو اور سُپر ایغو کی مزاحمتی قوتیں تشکیل پاتی ہیں۔ تاہم ایغو اور سُپر ایغو کا کام صرف مزاحمت ہی نہیں بلکہ ان کی اپنی قوتِ محرکہ بھی ہوتی ہے، یعنی یہ اپنے تراکمات بھی وضع کرتے ہیں۔

ہم مزاحمتی تراکمات کو داخلی خبیت (Internal Frustration) کا نام بھی دے سکتے ہیں۔ مزاحمتی قوت توانائی کے نکاس کا راستہ بند کر کے اسے "غائب" کر دیتی ہے۔ اس قسم کی خبیت کو خارجی خبیت (External Frustration) سے متمیز کرنا ضروری ہے۔ خارجی خبیت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب عضویہ اپنا مطلوب حاصل کرنے میں ناکام ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر بھوکے آدمی کو خارجی ماحول میں خوراک دستیاب نہ ہو یا اسے خوراک حاصل کرنے سے روک دیا جائے تو اس سے خارجی خبیت پیدا ہو گی۔ خارجی خبیت میں عضویہ کو جبلی خواہش کی تکمیل سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ داخلی خبیت میں محرومی یا شکست آرزو کا منبع خارجی ماحول میں نہیں بلکہ خود نفسی زندگی کے اندر ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص ایک کام کرنا چاہے لیکن اس کے راستے میں خود ایغو یا سُپر ایغو آ کھڑے ہوں تو اس سے داخلی خبیت پیدا ہو گی۔ ایغو یا سُپر ایغو کی مزاحمت سے پیدا ہونے والی خبیت کو ہم داخلی امتناع (Inner Inhibitition) بھی کہہ سکتے ہیں۔

فرائڈ کے نزدیک داخلی خبیت (یعنی مزاحمتی تراکم) اس وقت تک رونما نہیں ہوتی جب تک کہ خارجی خبیت اس کے لیے راہ نہ ہموار کر دے۔ جب تک انسان کو خارجی خبیت کا تجربہ نہ ہو اسے داخلی خبیت کا احساس نہیں ہو گا۔ مثال کے طور پر بچے کو جب تک والدین کی سرزنش یا ستائش سے یہ پتا نہیں چلتا کہ کون سا عمل مستحسن ہے اور کون سا غیر مستحسن، اس وقت تک اسے اپنے طرزِ عمل پر داخلی کنٹرول حاصل نہیں ہو گا۔
فرائڈ کہتا ہے کہ قوت فکر و عمل کا انحصار تحریکی یا انگیختی قوتوں پر ہوتا ہے۔ اگر مزاحمتی قوتیں یا مزاحمتی تراکمات ان تحریکی قوتوں کے مقابلے میں کمزور تر ہوں تو فکر و عمل کی قوتیں بھی ضعف کا شکار ہو جائیں گی۔ بعض حالات میں مزاحمتی قوتوں کی عدم موجودگی میں بھی فکر و عمل میں ضعف پیدا ہو سکتا ہے۔ یہ صورتِ حال تب رونما ہوتی ہے جب تحریکی قوتیں کسی

وجہ سے کمزور پڑ جائیں۔ مثال کے طور پر جب کوئی شخص کسی بھولے بسرے واقعہ کو یاد کرنے کی کوشش میں ناکام ہو جائے تو اس کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ اس کے حافظہ کے مراکز کو مناسب مقدار میں توانائی فراہم نہیں ہو سکی۔ نئی چیزیں سیکھنے کے عمل میں توانائی صرف ہوتی ہے۔ اس لیے پُرانی سیکھی ہوئی چیزوں کو فراموش کر دیا جاتا ہے۔
چنانچہ حافظے کے نئے تراکمات (New Memory Cathexes) میں پُرانے تراکماتِ حافظہ کمزور اور ضعیف ہو جاتے ہیں۔

بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ حافظہ کے ارتسامات (Memory Traces) بنتے ہی کمزور ہیں۔ بے دھیانی سے سنی ہوئی باتیں یادداشت پر کمزور سے نقوش ثبت کرتی ہیں۔ اس لیے یہ جلد ہی بھول جاتی ہیں۔ چنانچہ فراموشی کی دو وجوہ ہو سکتی ہیں۔ اولاً نفسی توانائی نئے تجربات کی آموزش میں صرف ہو رہی ہو اور پُرانے تجربے کے حسی ارتسام کو بیدار کرنے کے لیے مناسب توانائی نہ مل سکے۔ ثانیاً یہ کہ کوئی حسی ارتسام فی نفسہٖ بہت کمزور اور مدھم ہو۔ بھولی ہوئی بات کو یاد کرنے کے لیے توانائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر کوئی ارتسامِ حافظہ کمزور ہے تو اسے نئے تجربہ سے طاقت فراہم کی جا سکتی ہے۔ مثلاً اگر آپ کوئی ٹیلیفون نمبر بھول گئے ہیں تو ازسرِ نو ڈائرکٹری میں اسے دیکھیں۔ اس طرح پہلا مدھم ارتسامِ حافظہ مضبوط ہو جائے گا۔ لیکن بعض باتیں اس لیے فراموش ہو جاتی ہیں کہ کوئی نفسی قوت ان کی بازیافت (Recollection) میں مزاحم ہوتی ہے۔ ایسی باتوں کو ہم فراموش شدہ (Forgotten) نہیں کہیں گے بلکہ مُبطنہ (Represed) کہیں گے۔ مُبطنہ یاد کو دوبارہ حافظہ میں لانے کے لیے یا تو مزاحمتی تراکم کی شدت کو کم کیا جاتا ہے یا تحریکی قوت یا تراکم کو زیادہ طاقت فراہم کی جاتی ہے۔ لیکن یہ دونوں کام آسان نہیں۔ عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ کوئی شخص مزاحمت توڑنے کی جتنی کوششیں کرتا ہے یہ اتنی ہی شدید ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مزاحمت توڑنے کے لیے مخصوص طریقے استعمال کیے جاتے ہیں۔ مثلاً عمل تنویم (Hypnosis)۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ مزاحمتی قوتیں نیند کے دوران سست اور کمزور پڑ جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اس بات کو عالم خواب میں یاد کر لیتے ہیں جو کہ عالم بیداری میں کسی طور پر بھی سطح حافظہ پر نہیں ابھرتی۔

یادیں کس طرح ''ابطان'' کا شکار ہوتی ہیں؟ اس کی دو بڑی وجوہ ہیں۔ اولاً یہ

کہ کوئی یاد فی نفسہ بہت الم ناک اور پُر اذیت ہو۔ ثانیاً یہ کہ یہ کسی الم ناک اور پُر اذیت واقعہ سے متلازم (Associated) یا وابستہ ہو۔ مثلاً کوئی شخص کسی ایسے آدمی کا نام بھول جائے گا جس کے ساتھ اس کی تلخ کلامی یا جھگڑا ہوا ہو۔ یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا نام کسی الم ناک اور تکلیف دہ واقعہ سے متلازم ہو۔ دونوں صورتوں میں مزاحمتی تراکمات اس شخص کو تکلیف اور تشویش (Anxiety) سے محفوظ رکھنے کی کوشش کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دندان ساز سے داڑھ نکلوانے کی طے شدہ تاریخ کو بھول سکتے ہیں لیکن کسی ڈراما یا ڈانس پارٹی کی تاریخ نہیں بھول سکتے۔

شخصیت دونوں قسم کی قوتوں یعنی تراکمات اور مزاحمتی تراکمات کی آویزش کی آماجگاہ ہے۔ یہ آویزش عضویاتی سطح پر بھی ہوتی ہے اور نفسیاتی سطح پر بھی، مثلاً مناسب موقع محل میسر نہ آنے کے باعث دیر تک پیشاب کو روکے رکھنا عضویاتی سطح پر مزاحمت ہے۔ کبھی یوں ہوتا ہے کہ کسی کا بھولا ہوا نام زبان پر آتے آتے رک جاتا ہے اور جتنا حافظہ پر زور دیا جائے اتنی ہی ناکامی ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی مزاحمت نے اس یاد کا راستہ روکا ہوا ہے اور اسے حافظہ میں اُبھارنے کے لیے غیر معمولی توانائی خرچ کی جائے گی اس سے مزاحمت قوی تر ہو جائے گی۔ لیکن اگر اس کی کوشش کو ترک کر کے کوئی شخص دوسری باتوں میں منہمک ہو جائے تو مزاحمت کو توانائی کی سپلائی کم ہو جائے گی۔ اس طرح بعد ازاں اس یاد کو حافظہ میں تازہ کرنے کی کوشش کی جائے تو وہ اچانک سطح حافظہ پر اُبھر آئے گی۔ یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ بعض اوقات انسان کو نفسی سطح پر ہونے والی مزاحمت کا شعور ہوتا ہے لیکن بعض حالات میں اسے قطعاً علم نہیں ہوتا کہ اس کے لاشعور میں کوئی قوت اس کے جذبوں کے اظہار میں مزاحم ہو رہی ہے۔ اسے بس ایک نامعلوم سی بے چینی اور اضطراب و تشویش کا احساس ہوتا ہے۔

کسی تراکم اور مزاحمتی تراکم کی باہمی آویزش کو اصطلاح میں ''داخلی یا دروں نفسی کشمکش'' (Inner or Endopsychic Conflict) کہا جاتا ہے۔ دروں نفسی کشمکش ہمیشہ شخصیت کے اندر رہتی ہے۔ چونکہ یہ کوئی خارجی حوالہ نہیں رکھتی لہٰذا اسے اس کشمکش سے متمیّز کرنا چاہیے جو فرد اور اس کے ماحول کے مابین ہوتی ہے۔ دروں نفسی کشمکشیں لاتعداد ہیں۔ دراصل جہاں بھی کوئی تراکم مزاحمتی تراکم سے ٹکرائے گا وہیں ایک دروں

نفسی کشمکش ہو جائے گی۔ ہم ان لاتعداد کشمکشوں کو دو گروہوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ''اڈ ایغو کشمکش'' (Id-Ego conflict) اور ''ایغو سُپر ایغو کشمکش'' (Ego-Superego Conflict)۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ ''اڈ سُپر ایغو کشمکش'' کا تذکرہ کیوں نہیں کیا گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اڈ سُپر ایغو کے ساتھ براہِ راست متصادم نہیں ہوتی بلکہ بیچ میں ہمیشہ ایغو آ جاتا ہے، اس لیے سُپر ایغو اڈ سے براہِ راست برسر پیکار نہیں ہوتا۔ یہ تصادم ہمیشہ ایغو کے توسط سے ہوتا ہے۔ دونوں اپنے اپنے مقاصد کے لیے ایغو کو استعمال کرتے ہیں۔

شخصیت کے تمام اعمال کا دارومدار تراکم اور مدافعتی تراکم کی باہمی کشمکش پر ہے۔ بعض اوقات کسی ایک فریق کو ذرا سی انگیخت مل جائے تو کسی عمل کا توازن بگڑ جاتا ہے۔ آپ ذرا اس ڈاکو کا تصور کیجیے جس کے اعصاب تنے ہوں، پستول کے ٹریگر پر اس کی انگلی ہو اور وہ یرغمالی پر کڑی نظر رکھے ہوئے ہو، اس کی شخصیت میں اس وقت تراکم اور مدافعتی تراکم کی زبردست کشمکش جاری ہو گی۔ ذرا سی حرکت یا آواز سے ٹریگر پر اس کی انگلی کا دباؤ بڑھ جائے گا۔ اور اگر وہ کسی بات پر مشتعل ہو جائے یا خطرہ محسوس کرے تو مدافعتی تراکم کا دباؤ کم ہو جائے گا اور وہ گولی چلا دے گا۔ زندگی میں کئی ایسے موڑ آتے ہیں جب یہ دروں نفسی کشمکش نازک ترین صورت اختیار کر لیتی ہے اور توازن میں ذرا سی کمی بیشی کسی بڑی اہم پیش رفت کا باعث بن جاتی ہے۔ یہ صورت حال نہ صرف انسانوں کی تقدیر بنانے بگاڑنے میں بڑی اہمیت رکھتی ہے، بلکہ قوموں کی زندگی میں بھی بعض اوقات یہ لمحے آتے ہیں جب کوئی غلط یا صحیح فیصلہ انہیں یا تو بامِ عروج پر پہنچا دیتا ہے یا ذلت کی پستیوں میں گرا دیتا ہے۔ ایسے لمحوں یا ایسی صورتِ حال کی غیر یقینی نوعیت کی بنا پر ہی نفسیات دان کوئی حتمی پیش گوئی نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ نفسیات کو طبیعیات یا دیگر علوم کی طرح مطلقاً حتمی اور یقینی علم نہیں بنایا جا سکا۔ فرائڈ کے ذہن میں بھی یہ بات تھی۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ نفسیاتی سطح پر انگیختی قوتیں اور امتناعی قوتیں اس طرح متصادم ہوتی ہیں کہ ان میں معمولی سی کمی بیشی کس عظیم تبدیلی کا پیش خیمہ بن جاتی ہے اس لیے وہ نفسیات کو پیش گوئی کرنے والی (Predictive) سائنس قرار نہیں دیتا۔ بلکہ اسے (Postdictive) سائنس قرار دیتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم کسی خاص صورت حال کے وقوع پذیر ہونے کے بعد اس کا سراغ لگاتے ہوئے اس کی کنہہ تک پہنچ سکتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ فرائڈ کی تحلیلی نفسیات کو عمقی نفسیات (Depth Psychology) بھی کہتے ہیں۔

چوتھا باب

لاشعور

دوسرے باب کے آغاز میں ہم یہ دیکھ آئے ہیں کہ لاشعور کا مفروضہ فرائڈ کی ابتدائی تحقیقات میں کس قدر اہمیت رکھتا تھا۔ اس کے علاوہ پہلے باب میں یہ بھی کہا جا چکا ہے کہ فرائڈ شروع میں ہسٹیریا کے مریضوں کا علاج کیا کرتا تھا۔ ہم عصر معالج یہ سمجھتے تھے کہ ہسٹیریا کسی عضویاتی خرابی سے پیدا ہوتا ہے۔ لیکن فرائڈ کو تجربہ سے پتا چلا کہ مریض اپنے دل کی بات کہہ کر بڑا سکون محسوس کرتا ہے اور وقتی طور پر اس کے مرض کی علامات بھی معدوم ہو جاتی ہیں۔ یہاں اسے ایک ایسا اشارہ ملا جس نے اس کی تحقیق کا رُخ عضویات سے نفسیات کی طرف موڑ دیا۔ چنانچہ اس نے انسانی ذہن کی عمیق ترین تہوں کا کھوج لگانا شروع کر دیا۔ وہ دیکھتا تھا کہ مریض گزرے ہوئے واقعات کو بیان کرنے سے سکون محسوس کرتا ہے۔ اس سے تَخِقِیَہ (Catharsis) کا تصور پیدا ہوا۔ لیکن معاملہ اتنا آسان نہیں تھا۔ ماضی کے کچھ واقعات ایسے بھی ہوتے ہیں جو فراموش شدہ (Forgotten) نہیں بلکہ مبطنہ (Repressed) ہوتے ہیں اور کسی مخصوص تکنیک سے ہی انہیں شعور میں لایا جا سکتا ہے۔ ایسے واقعات کو ذہن میں تازہ کرنے کی کوشش میں اسے مریض کی طرف سے زبردست مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ ماضی کو کھنگالنے کے سلسلے میں جہاں آزاد تلازمِ خیالات کا طریقہ بڑا مفید ثابت ہوا، وہیں خوابوں کی تعبیر بھی بہت مدد و معاوت ثابت ہوئی۔

اپنی ابتدائی تحقیقات سے فرائڈ ذہن کی لاشعوری زندگی کا زیادہ سے زیادہ قائل ہوتا گیا۔ 1905ء تک اس نے اپنی ابتدائی تحقیقات و مشاہدات کو باقاعدہ ایک نظریہ کی حیثیت دے دی تھی جس میں لاشعور کے تصور کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔

اس دور کے ماہرین نفسیات لاشعور کے نام سے چڑتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ لاشعور کا مفروضہ علمی لحاظ سے لغو ہے۔ نفسیات کا تعلق صرف کردار یا شعور سے ہونا چاہیے۔ جس چیز کا ہمیں علم ہی نہیں اور ہم جس کا تجربہ و مشاہدہ نہیں کر سکتے، اس کے بارے میں تحقیق کرنا عبث ہے۔ اس بات کا فرائڈ یہ جواب دیتا تھا کہ ہم تو بہت سے حقائق کا مشاہدہ نہیں کر سکتے، لیکن ہم ان کے بارے میں تحقیق ترک نہیں کر دیتے۔ مثلاً ہم اپنے ہی نظام انہضام کا مشاہدہ نہیں کر سکتے لیکن اس کے بارے میں تحقیق و تفتیش کو ضروری خیال کرتے ہیں۔ لاشعور تو ایسے گلیشیر کی مانند ہے جس کا بیشتر حصہ پانی میں چھپا ہوا ہو۔ شعور اس کا تھوڑا سا حصہ ہے جو سطح آب سے باہر ہے۔ نفسی حقیقت کا معتد بہ حصہ لاشعوری زندگی میں ہے۔ اس لیے اس کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔

اس دور کے اکثر ماہرین نفسیات کے لیے لاشعور کا مفروضہ کبھی بھی پُر کشش نہ بن سکا۔ اس کی وجہ یہ تھی اس دور میں تجربہ اور مشاہدہ پر بہت زور دیا جاتا تھا۔ چنانچہ کرداریت کے مکتبہ فکر (Behaviourism) کے حامیوں نے کہا کہ نفسیات ذہن کی سائنس ہے۔ ذہن کی تعریف میں شعور اور آگہی کا عنصر شامل ہے۔ ذہن کے لاشعوری حصے کی بات کرنا خود تردیدی ہے۔ اس طرح نفسی تحقیق دو دھاروں میں بٹ گئی۔ کچھ مفکرین نے صرف شعور کو موضوع بحث بنایا جس سے نفسیات ایک مستقل بالذات سائنس کی حیثیت سے اُبھری۔ دوسری طرف فرائڈ اور اس کے حامیوں نے نفسی زندگی کی گہرائیوں اور شخصیت کے سربستہ اسرار و رموز جاننے کے لیے سعی و کاوش شروع کر دی جس کے نتیجہ میں ''تحلیل نفسی'' یا ''تجزیہ نفسی'' کا مکتب فکر فرغ پذیر ہوا۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ زیر نظر کتاب میں فرائڈ کے افکار کو تاریخی پس منظر میں پیش نہیں کیا گیا، بلکہ اس کے پختہ نظریات کو نظری اور علمی اہمیت کے لحاظ سے پیش کیا گیا ہے۔ فرائڈ کی ابتدائی تحقیقات کے تیس سالہ دور (1890-1920ء) میں لاشعور کا تصور مرکزی اہمیت کا حامل نظر آتا ہے۔ لیکن 1920ء کے

بعد جب اس کی پختہ فکر کا آغاز ہوا تو لاشعور کے مفروضہ کی اہمیت بتدریج کم ہوتی گئی اور اس کی جگہ شخصیت کی حرکی تشریح مرکزی حیثیت اختیار کرتی گئی۔ نفسی زندگی کے حقائق کی تشریح و توضیح کے لیے فرائڈ پہلے لاشعور، تحت الشعور اور شعور کے تصورات استعمال کرتا تھا لیکن بعد ازاں ان کی جگہ اڈ، ایغو اور سُپر ایغو کی سہ گونہ تقسیم نے لے لی اور لاشعور کو نفسی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں سے ایک پہلو قرار دیا گیا۔

گزشتہ صفحات میں اڈ، ایغو اور سُپر ایغو کی ماہیت اور ان کی حرکی نوعیت پر تفصیل سے بحث ہو چکی ہے، اس لیے اس باب میں ہم مختصراً فرائڈ کے نظریہ لاشعور کا جائزہ لیتے ہیں۔

(الف) لاشعور کے وجود کا ثبوت

ایک دفعہ فرائڈ کے اعزاز میں ایک استقبالیہ دیا گیا جس میں اسے خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے اسے نظریہ لاشعور کا خالق قرار دیا گیا۔ اس پر فرائڈ نے اعتراض کیا اور کہا کہ لاشعور اس کی دریافت نہیں، بلکہ اس سے پہلے کئی فلسفیوں اور شاعروں نے اس کا تذکرہ کیا ہے، اس کا کام صرف لاشعور کی دُنیا کو سائنسی انداز میں سمجھنا اور پیش کرنا ہے۔ فرائڈ کی یہ صراحت بالکل صحیح ہے کیوں کہ جیسا کہ ہم دوسرے باب میں دیکھ چکے ہیں کہ لائبنیز اور شوپنہار وغیرہ کے ہاں لاشعور کا ایک واضح تصور ملتا ہے۔ اس کے باوجود لاشعور کا نام آتے ہی فرائڈ کا نام ذہن میں اُبھرتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سائنسی لحاظ سے اڈ، ایغو اور سُپر ایغو کے تصورات بہت بہتر اور ترقی یافتہ ہیں۔ آگے چل کر ہم دیکھیں گے کہ اس کے آخری دَور کے نظریات جو کہ جبلت مرگ، جبلت حیات اور جارحیت وغیرہ کے متعلق ہیں، نفسیاتی اور عمرانی تشریحات کے اعتبار سے زیادہ اہم ہیں۔ لیکن فرائڈ کی لازوال شہرت کا باعث اس کا نظریہ لاشعور ہی بنا۔ اس نے لاشعور کے وجود کو ثابت کرنے کے لیے چار دلائل دیے۔ ذیل میں ہم ان کا جائزہ لیتے ہیں:

1- خواب

فرائڈ نے جب برویئر سے اپنا تعلق توڑ لیا تو نفسیاتی مریضوں کا اپنے طور پر علاج کرنے لگا۔ اسے طریقہ تنویم اور ایعاذ دونوں کی خامیوں کا پورا ادراک تھا۔ تنویم کا

طریقہ اس لیے صحیح نہیں تھا کہ مصنوعی نیند کے عالم میں مریض گزشتہ زندگی کے واقعات تو بیان کر دیتا تھا لیکن جاگنے پر اسے پتا نہیں ہوتا تھا کہ اس نے کیا کہا ہے۔ اس سے مرض میں کچھ افاقہ تو ضرور ہوتا، لیکن یہ مستقلاً رفع نہ ہوتا۔ اسی طرح ایعاذ میں وقتی طور پر مریض معالج کی ہدایات کے زیرِ اثر خود کو بہتر محسوس کرنے لگتا لیکن کچھ دیر بعد مرض پوری شدت سے عود کر آتا۔ فرائڈ مریض کے ماتھے پر ہاتھ رکھتا اور اسے اظہارِ خیال پر آمادہ کرتا۔ پہلے پہلے وہ مریض پر سختی کرتا تھا اور اس سے زبردستی باتیں اُگلوانے کی کوشش کرتا تھا۔ لیکن جلد ہی اسے پتا چل گیا کہ سخت رویہ مرض کے علاج میں منفی اثرات پیدا کرتا ہے۔ چنانچہ اس نے آہستگی اور نرمی سے مریض کو آمادۂ اظہار کرنا شروع کیا۔ اس سلسلے میں آزاد تلازمِ خیالات کا طریقہ بڑا مفید ثابت ہوا۔ اس نے کچھ الفاظ منتخب کیے ہوئے تھے۔ وہ مریض سے کہتا کہ جب میں کوئی لفظ بولوں تو تمہارے ذہن میں جو خیال آئے اس کا اظہار کر دو۔ مثلاً فرائڈ کہتا ''پانی'' تو مریض کہتا، ''پہاڑ''۔ اس طرح مریض فرائڈ کے کہے ہوئے ہر لفظ کے ردِعمل میں کوئی نہ کوئی لفظ بولتا۔ لیکن بعض الفاظ پر آ کر مریض اٹکتا یا کہتا کہ میرا ذہن خالی ہو گیا ہے۔ فرائڈ کو پتا چل جاتا کہ متعلقہ لفظ کے حوالے سے کوئی واقعہ مریض کے ذہن میں پوشیدہ ہے جو کہ تکلیف دہ ہونے کے باعث شعور میں نہیں اُبھر رہا۔ اس طرح فرائڈ کوشش کرتا کہ مریض کی مزاحمت توڑ کر اس واقعہ کا پتا چلایا جائے۔

مریضوں کے علاج کے دوران میں ہی فرائڈ کو معلوم ہوا کہ مریض اپنا کوئی جواب بیان کر کے خود کو بڑا ہلکا پھلکا محسوس کرتا ہے۔ چنانچہ فرائڈ نے اپنی توجہ خوابوں پر مرکوز کر دی۔ دورانِ تحقیق اس پر یہ انکشاف ہوا کہ خواب دبی ہوئی ناآسودہ خواہشات کی جزوی تکمیل کرتے ہیں۔ خواہشات ہمیشہ مختلف قسم کی علامتوں کا لبادہ اوڑھ کر خوابوں کے اسٹیج پر نمودار ہوتی ہیں۔ اگلے گریڈ میں ترقی کا خواہش مند خواب دیکھے گا کہ وہ سیڑھیاں چڑھ رہا ہے۔ شادی کا آرزومند پھول سونگھے گا، وغیرہ۔ ناآسودہ خواہشات کے ساتھ ماضی کے واقعات بھی خوابوں کی دُنیا میں نئے رنگ رُوپ کے ساتھ جلوہ گر ہوتے ہیں۔ اس طرح فرائڈ کو خوابوں کی تعبیر سے یہ پتا چلا کہ ذہن کی گہری تہوں میں ایک پوری کائنات چھپی ہوئی ہے۔ اسے فرائڈ نے لاشعور کا نام دیا۔(1)

2- لغزشیں

خوابوں کی طرح تحریر و تقریر کی غلطیاں اور لغزشیں بھی لاشعور کے وجود پر دلالت کرتی ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہم لکھنا کچھ چاہتے ہیں لکھ کچھ جاتے ہیں۔ یا کہنا کچھ چاہتے ہیں اور کہہ کچھ جاتے ہیں۔ یہ زبان و قلم کی غلطیاں بظاہر اتفاقی نظر آتی ہیں، لیکن ان کے پیچھے پوشیدہ اسباب و محرکات ہوتے ہیں۔ سائنسی طرزِ فکر میں اتفاقات و حادثات کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ سائنس دان ہر واقعہ کے اسباب و علل ڈھونڈنے کی کوشش کرتا ہے۔ چنانچہ روزمرہ کی زندگی میں سرزد ہونے والی غلطیاں اور لغزشیں گہرے مطالب و مفاہیم کی حامل ہوتی ہیں۔

فرائڈ نے ایک ایسی لڑکی کا ذکر کیا ہے جس کی شادی کی تاریخ 15 مارچ طے تھی لیکن دعوت نامے پر اس نے 25 فروری کی تاریخ لکھ دی۔ اب یہ لغزش بظاہر اتفاقی ہے۔ لیکن فرائڈ کہتا ہے کہ اس کے پیچھے لاشعوری محرکات کارفرما ہیں جس سے پتا چلتا ہے کہ اس لڑکی کی شادی اس کی خواہش کے مطابق ہو رہی تھی اور یہ بھی پتا چلتا ہے کہ وہ شادی میں کسی قسم کی تاخیر برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اس طرح ہم ان تاریخوں کو یاد رکھتے ہیں جن سے کوئی خوش آئند توقع وابستہ ہو اور ان تاریخوں کو فراموش کر دیں گے جن پر کسی ناخوشگوار تجربہ کی توقع ہو۔

فرائڈ کا سائنسی ذہن یہ بات تسلیم کرنے پر تیار نہ تھا کہ روزمرہ کی زندگی میں ہونے والی لغزشیں، خطائیں یا بھول چوک بے معنی ہیں۔ اس کا خیال تھا کہ ان چھوٹی چھوٹی بے ربط باتوں کو اگر لاشعوری پس منظر مہیا کر دیا جائے تو یہ مربوط اور بامعنی بن جاتی ہیں۔

3- عصبا تیت

عصبا تیت کی دو بڑی قسمیں ہیں۔ ہسٹیریا اور غلوی خلل اعصاب (Obsessional Neurosis) فرائڈ نے شروع سے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ ہسٹیریا کی علت کسی قسم کی عضویاتی خرابی نہیں بلکہ سراسر نفسی اور ذہنی ہے۔ اسی لیے وہ مریض کو ماضی کے واقعات دُہرانے کے لیے کہتا تھا۔ اس ضمن میں بعض اوقات اسے مریض کی طرف

سے مزاحمت کا بھی سامنا کرنا پڑتا۔ لیکن جب کسی طرح وہ چھپی ہوئی کشمکش کو مریض کے ذہن میں لے آتا اور مریض اپنے مرض کی علت کو شعوری طور پر جان لیتا تو اس سے ہسٹیریا کی علامات غالب ہو جاتیں۔ اسی طرح غلوی خلل اعصاب میں اسے ایسے مریضوں سے سابقہ پڑتا جو ایک بے معنی اور فضول سے خبط میں مبتلا ہو جاتے۔ اس مرض میں مریض کوئی ایسی حرکت بار بار کرنے کے خبط میں مبتلا ہو جاتا ہے جس سے اسے نہ کوئی فائدہ پہنچتا ہے اور نہ وہ اس سے حظ اُٹھا سکتا ہے۔ مثلاً بار بار ہاتھوں کو دھونا یا سر کو جھٹکتے رہنا۔ ایسی حرکتیں بظاہر بڑی بے معنی اور بے ربط سی نظر آتی ہیں۔ لیکن مریض ان کی ایسی تکرار کا شکار ہو جاتا ہے کہ ان سے اسے جان چھڑانی مشکل ہو جاتی ہے۔ وہ ان حرکتوں کے جبری اعادے اور تکرار کی وجہ سے ایک عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ تاہم اسے اس کا کوئی حل نظر نہیں آتا۔ فرائڈ نے تحلیل کے ذریعہ سے ایسے مریضوں کا علاج کیا تو پتا چلا ایسی جبری حرکات کے پیچھے ماضی کا کوئی واقعہ یا تجربہ کارفرما ہے جو ابطان کی وجہ سے ذہن کی گہری تہوں میں چھپا ہوا ہے۔ مثلاً لیڈی میکبتھ کے بار بار ہاتھ دھونے کے خبط کے پیچھے ماضی کا ایک واقعہ تھا جب وہ ایک قتل کر بیٹھی تھی اور اس کے ہاتھوں پر خون کے دھبے لگ گئے تھے۔

4- مزاح

فرائڈ کہتا ہے کہ عصبا تیت کی طرح مزاح (Wit) بھی لاشعور کے وجود پر دلالت کرتا ہے۔ خواب تو ناآسودہ خواہشات کی تکمیل میدان خواب (Dream Field) میں کرتے ہیں لیکن خواہشات کی ناآسودگی کا ایک شعوری اظہار طنز یا مزاح ہے۔ شعور کی ساخت میں قانونِ حقیقت کارفرما ہوتا ہے، اس لیے انسان کی معاشرتی اور ثقافتی زندگی میں عقلی اور منطقی طرزِ فکر کو اپنایا جاتا ہے۔ لیکن عقل و منطق اور تنقید و جرح کے سخت ضابطوں میں بعض اوقات تھوڑی سے نرمی کر دی جاتی ہے۔ چنانچہ آرٹ، موسیقی یا ادب کی طرح طنز و مزاح بھی ایک صنف ادب کی حیثیت سے ثقافتی زندگی میں اپنی جگہ بناتے ہیں۔ طنز و مزاح سے لطف اندوز ہونا اس بات کی شہادت ہے کہ انسان اشارے کنائے اور جنسی تشبیہات کا استعمال کر کے حظ اُٹھاتا ہے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ فرائڈ جنس اور لذت کے الفاظ کو وسیع ترین مفہوم میں استعمال کرتا ہے۔ اس کے لیے کوئی بھی

لذت آفرین فعل جنسی فعل کے زمرہ میں آئے گا۔ اس طرح وہ طنز و مزاح سے پیدا ہونے والے حظ و انبساط کو جنسی تلذذ کے زمرے میں شمار کرتا ہے۔(2)

(ب) لاشعوری محرکات

فرائڈ نے اپنے تصور لاشعور کو جلد ہی ایک مخصوص مفہوم دے دیا۔ دورانِ تحقیق اس پر یہ انکشاف ہوا کہ لاشعور بُنیادی طور پر محرکات (Motives) سے عبارت ہے۔ شروع شروع میں جب وہ تنویم کے ذریعہ سے مریضوں کی یادوں کو شعور میں اُبھارتا تو یہ یادیں واقعات اور اشخاص کے بارے میں ہوتی تھیں۔ لیکن ان یادوں پر ناآسودہ خواہشات کا گہرا رنگ چڑھا ہوتا تھا۔ گزشتہ صفحات میں اس نوجوان لڑکی کا ذکر ہو چکا ہے جسے اپنے بیمار باپ کی تیمارداری کی وجہ سے اپنا ایک معاشقہ ترک کرنا پڑا تھا۔ دورانِ تحلیل مریض اس طرح کی یادوں کا تذکرہ کرتے ہوئے اگرچہ مقامات یا اشخاص کا تذکرہ کرتا ہے لیکن ان واقعات کی تہ میں ناآسودہ خواہشات کارفرما ہوتی تھیں۔ فرائڈ کو محسوس ہوا کہ یہ بھولی بسری یادیں بظاہر اپنی اہمیت کھو چکی ہوتی ہیں، تاہم لاشعور میں زندہ ہوتی ہیں اور شعوری کردار پر عجیب و غریب انداز میں اثرانداز ہوتی ہیں۔ مذکورہ نوجوان لڑکی اپنی باطنی کشمکش کی وجہ سے ہسٹیر یائی فالج کا شکار ہوگئی جو کہ صرف بوڑھے باپ کی تیمارداری سے جان چھڑانے کا ایک نفسیاتی حربہ تھا۔ فرائڈ نے اپنی کتاب ''Psychopathology of Everyday Life'' میں اس طرح کے بے شمار واقعات بیان کیے ہیں جن کے تجزیہ سے لاشعوری حرکات کے عمل دخل کا پتا چلتا ہے۔

فرائڈ کا خیال تھا کہ جن افعال کو ہم شعوری طور پر نہایت قبیح و شنیع سمجھتے ہیں وہ ممکن ہے لاشعوری طور پر بہت زیادہ مطلوب ہوں۔ کسی فعل کو جس شدت سے ممنوع قرار دیا جاتا ہے وہ لاشعوری طور پر اتنی ہی شدید طلب رکھتا ہے۔ مثلاً باپ کا قتل یا ماں سے شادی! حضرت موسیٰ کے فرامینِ عشرہ میں ان کو خصوصی طور پر ممنوع قرار دیا گیا ہے اور کوئی بھی معاشرہ ان کو جائز نہیں سمجھتا۔ لیکن ان کے امتناع پر غیر معمولی زور کیوں دیا گیا ہے؟ اس لیے کہ یہ شدید لاشعوری محرکات ہیں۔ لہٰذا جو اعمال و افعال جتنی شدت سے مذموم و ممنوع قرار دیے جائیں وہ اتنی ہی طاقت وَر اور شدید لاشعوری طلب رکھتے ہوں گے۔

اسی طرح وہ کہتا ہے کہ بعض خوف (Phobias) ایسے ہوتے ہیں جن کا کوئی عقلی جواز نہیں ہوتا۔ ان میں بھی مریض جس چیز کی جتنی شدید خواہش رکھتا ہے، اس سے اتنا ہی خائف ہوتا ہے۔ مزید برآں یہ بھی ہوتا ہے کہ کوئی شخص کسی شخص سے لاشعوری طور پر شدید نفرت کرتا ہے، لیکن شعوری طور پر اس سے غیر معمولی ہمدردی اور محبت کا سلوک کرنے لگتا ہے۔ اس طرح کے بے شمار واقعات اور شواہد سے فرائڈ نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ لاشعور مختلف النوع محرکات پر مشتمل ہوتا ہے جو ہر وقت شعوری کردار پر اثرانداز ہوتے رہتے ہیں۔

(ج) صبیاتی جنسیت

فرائڈ نے اپنے دور کے فکری اور علمی حلقوں میں اپنے نظریات سے ایک تہلکہ مچا دیا تھا۔ وہ جس بات کو حق سمجھتا تھا اسے پوری آزادی اور پورے شد و مد سے بیان کرتا تھا۔ اس کا یہ اعلان کہ عصبانیت کے مرض کے اسباب وعلل مریض کی غیرمتوازن جنسی زندگی میں ہوتے ہیں، دُنیا کے لیے بہت چونکا دینے والا ثابت ہوا۔ اس نے ہسٹیریا اور اور عصبانیت کے مریضوں کو قابل مذمت قرار دینے کے بجائے ہمدردی اور ترحم کا مستحق قرار دیا۔ اس نے جنسی عدم تسویہ کو عصبانیت کی علت تو کہا لیکن اس کا علاج جنسی بے راہروی یا بے لگام جنسی آزادی تجویز نہیں کیا۔ اس کے دَور میں ایسے لوگ بھی تھے جو اس کے نظریات کو جواز بنا کر ہر قسم کی جنسی بے راہروی کا پرچار کرنے لگے تھے۔ فرائڈ نے ایسے لوگوں پر سخت تنقید کی اور ان کے طریق علاج کو ''وحشیانہ تحلیل نفسی'' (Wild Psycho-anylysis) کا نام دیا۔ اس کے برعکس اس نے مریض کی گزشتہ جنسی زندگی کے حالات و واقعات میں مرض کے اسباب تلاش کرنا شروع کیے۔ اس طرح وہ اس کے جنسی رویوں کا تجزیہ کرتے ہوئے اس کے بچپن تک پہنچ گیا۔ اس کا یہ نظریہ مزید دھما کہ خیز ثابت ہوا کہ ''معصوم'' بچہ بھرپور جنسی رویوں اور حسد بغض اور جارحیت وغیرہ جیسے جذبوں سے متصف ہوتا ہے۔ فرائڈ کے اس نظریہ کو صبیاتی جنسیت یا طفولیتی جنسیت (Infantile Sexuality) کہا جاتا ہے۔ فرائڈ کہتا ہے:

''... شروع شروع میں مجھے یہ محسوس ہوا کہ مرض کی علت کا سراغ

ماضی میں لگانا چاہیے ... یہ کوشش مجھے ماضی میں اور پیچھے طفولیت کے ابتدائی ایام کی طرف لے گئی۔ پہلے میں نے بچے کی خود شہوتی (Autoerotic) حرکتوں پر توجہ دی ... لیکن پھر بچے کی بھرپور جنسی زندگی مجھ پر منکشف ہوگئی ... کئی سال بعد میرے نظریات کی تصدیق ہوگئی اور بہت چھوٹی عمر کے بچوں کے کردار کے مطالعہ اور تجزیہ نے ان کو مکمل طور پر ثابت کر دیا۔'' (3)

اس میں شک نہیں کہ بچے میں جنسیت کی وہ شدت نہیں ہوتی جو جوانی میں جنسی غدودوں کے فعال ہونے کے بعد ہوتی ہے۔ نہ ہی بچے کی جنسیت کا کوئی ہدف یا معروض ہوتا ہے۔ بچہ اپنے مختلف اعضا سے تلذذ حاصل کرتا ہے۔ سب سے پہلا عضو منہ ہے جس سے وہ تلذذ حاصل کرتا ہے کیوں کہ اس سے وہ دودھ پیتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ دودھ پیتا ہوا بچہ بُنیادی طور پر بھوک سے تحریک پاتا ہے۔ لیکن جب وہ دودھ پی چکتا ہے اور پھر اپنا انگوٹھا چوس رہا ہوتا ہے تو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کے انگوٹھا چوسنے کا محرک بھوک ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ انگوٹھا چوسنے سے ایک قسم کا حظ اُٹھا رہا ہے جو کہ فرائڈ کے نقطۂ نظر سے ابتدائی جنسی محرک ہے۔ کچھ عرصہ بعد وہ رفع حاجت کے عمل سے یہ تلذذ حاصل کرسکتا ہے اور زیادہ تسکین کے لیے وہ اس عمل کو قدرے موخر بھی کر دیتا ہے۔ جب وہ کچھ اور بڑا ہوتا ہے تو اپنے عضو تناسل کو پکڑنے سے لذت حاصل کرتا ہے۔ یہ شفہی (Oral) مبرزی (Anal) اور تناسلی (Genital) ادوار ہیں۔ ان سے ہم آگے چل کر بحث کریں گے۔ یہاں جو بات ہم واضح کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ فرائڈ کے نزدیک لاشعور کا بُنیادی محرک لذت کوشی ہے جسے اس نے بعدازاں اڈ کے اُصولِ لذت کا نام دیا تھا۔ وہ اُصولِ لذت کی لبیڈو (Libido) کے دو محرکات تحفظِ ذات (Self-Preservation) اور اشاعتِ ذات (Self-Propagation) کے حوالے سے تشریح کرتا ہے۔ تحفظِ ذات کے تحت بھوک، خطرے سے بچاؤ، ادعائے ذات (Self- Assertion جیسے رُجحانات کو یکجا کرتا ہے۔ اشاعت ذات کے تحت جنس اور لذت کوشی کے رُجحانات آ جاتے ہیں۔ ان محرکات کے برعکس ایغو کے محرکات ہیں جو کہ مزاحمتی قوت کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان سے تفصیلی بحث ہم گزشتہ صفحات میں کر آئے ہیں۔ اس طرح لاشعور کی زندگی لبیڈو کے

محرکات اور ایغو کے محرکات کی باہمی کشمکش سے عبارت ہے۔

(د) ایڈی پس اُلجھاؤ

تحلیل نفسی کا رجعی سفر شعوری علامات سے شروع ہوتا ہے اور بچپن کے حالات و واقعات سے ہوتا ہوا عہد طفولیت کی جنسیت پر آ کر ختم ہوتا ہے۔ بالکل ابتدا میں بچہ کی جنسیت غیر واضح اور غیر متعین ہوتی ہے۔ اسے خود شہوتی (Autoeroticism) کا نام دیا جا سکتا ہے۔ بچہ اپنے ہی بعض افعال و اعمال سے لذت حاصل کرتا ہے۔ لیکن پیدائش کے بعد چند سال کے اندر اندر اس کی جنسیت باقاعدہ ایک معروض سے وابستہ ہو جاتی ہے۔ لڑکے کے لیے یہ معروض ماں بنتی ہے اور لڑکی کے لیے باپ۔ اس طرح بچے کی غیر متعین اور غیر واضح لبیدو معین اور وابستہ ہو جاتی ہے۔ لڑکے کے معاملے میں تو یہ واضح طور پر ماں کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ بچہ باپ سے نفرت کرنے لگتا ہے، لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ باپ سے ڈرتا بھی ہے۔ ایک طرف وہ باپ کا وجود برداشت نہیں کر پاتا تو دوسری طرف خود باپ جیسا بننا چاہتا ہے، (سُپر ایغو کے اثرات کے تحت)

فرائڈ نے ماں پر لبیدو کے مرکوز ہو جانے کے نفسیاتی عمل کو ''ایڈی پس اُلجھاؤ'' یا ''ایڈی پس تعقید'' (Oedipus Complex) کا نام دیا ہے۔ ایڈی پس یونانی دیو مالا کا ایک لنگڑا ہیرو ہے۔ اس کا باپ لائیس (Laius) تھیبس (Thebes) کا حکمران تھا۔ ایڈی پس کی ماں کا نام یوکاسٹا (Jocasta) تھا۔ ایڈی پس کی پیدائش پر اس کے باپ نے نجومیوں اور کاہنوں سے اس کا زائچہ تیار کروایا۔ انہوں نے کہا کہ بچہ بڑا ہو کر اپنے باپ کو قتل کر دے گا اور ماں یوکاسٹا سے شادی کر لے گا۔ اس پر لائیس نے ایڈی پس کے پاؤں میں ایک میخ ٹھونک کر اسے جنگل میں پھینکوا دیا۔ وہاں سے ایک گڈریا اسے اُٹھا کر گھر لے گیا اور اس کی پرورش کرنے لگا۔ بعد ازاں ایک ہمسایہ ملک کے بادشاہ نے اسے اپنا بیٹا بنا لیا۔ یہاں اس کی تعلیم و تربیت شہزادے کی حیثیت سے کی گئی۔ ایڈی پس کو اپنے اصلی والدین کا کوئی علم نہ تھا۔ یہاں بھی ایڈی پس کو نجومیوں اور کاہنوں نے بتایا کہ وہ ایک دن باپ کو قتل کر کے ماں سے شادی کر لے گا۔ ایڈی پس بہت پریشان ہوا۔ اس

نے اپنے سوتیلے ماں باپ کا محل بھی چھوڑ دیا اور مختلف علاقوں اور ملکوں میں مارا مارا پھرنے لگا۔ ایک دن کسی شاہراہ پر اس کی ملاقات اپنے حقیقی باپ لائیس سے ہوگی۔ ایڈی پس اور لائیس کے درمیان سخت مقابلہ ہوا جس میں لائیس مارا گیا۔ ایڈی پس نے دوبارہ آوارہ گردی شروع کر دی۔ ایک دن وہ اپنے آبائی شہر تھیبس جا پہنچا۔ وہاں اس نے Sphinx کا معمہ حل کر کے شہر والوں کو ایک خوف ناک وبا سے نجات دلائی۔ تھیبس کے باشندوں نے اسے اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا اور ایڈی پس نے اس دَور کی رسم کے مطابق بیوہ ملکہ یوکاسٹا سے شادی کر لی۔ کئی سال بعد جب کہ ایڈی پس کے ہاں چار بچے پیدا ہو چکے تھے اس نے اپنی سرگزشت سنائی اور بتایا کہ بچپن میں ہی کوئی اس کے پاؤں میں میخ ٹھونک کر جنگل میں پھینک گیا تھا۔ شاہی کاہنوں نے اسے فوراً شناخت کر لیا۔ اس خوف ناک صورتِ حال کے انکشاف پر ایڈی پس نے لوہے کی گرم سلاخیں آنکھوں میں گھونپ لیں اور یوکاسٹا نے خودکشی کر لی۔ اندھے ایڈی پس کے بقیہ ایام زندگی کسمپرسی اور احساسِ گناہ کی اذیت سہتے گزرے۔

فرائڈ نے یونانی دیومالا کے اس قصے کے حوالے سے ایڈی پس صورتِ حال (Oedipus Situation) کی توضیح کرتے ہوئے کہا کہ بچہ شروع میں باپ کو دُشمن سمجھتا ہے اور اسے قتل کر دینا چاہتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ماں کے ساتھ اس کی محبت پھلتی پھولتی ہے۔ یہ عمل چار پانچ برس کی عمر تک ہوتا رہتا ہے اور بچے کی شخصیت اس خوفناک کشمکش کا شکار رہتی ہے۔ لیکن جب سُپر ایغو کی تشکیل ہوتی ہے تو یہ کشمکش دبنا شروع ہو جاتی ہے اور باپ بچے کا آئیڈل بننا شروع ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایام طفولیت کی اکثر یادیں فراموش ہو جاتی ہیں۔ یہ فراموشی ایک قسم کا دفاع ہے جس سے بچہ ایڈی پس صورتِ حال کے خوفناک اثرات سے اپنے آپ کو بچاتا ہے۔ یہ کشمکش اگرچہ ابطان اور فراموشی کا شکار ہو جاتی ہے لیکن ختم نہیں ہوتی۔ لاشعور کی گہری تہوں میں اس کا خلفشار جاری رہتا ہے۔

فرائڈ لڑکے کی مناسبت سے لڑکیوں کے لیے ''الیکٹرا اُلجھاؤ'' (Electra Complex) وضع کرتا ہے جس میں ان کی لبیدو کا مرکز باپ بن جاتا ہے۔ لیکن وہ کہتا ہے کہ لڑکیوں کی یہ تشبیت (Fixation) اگرچہ خاصی شدید اور نسبتاً دیرپا ہوتی ہے تاہم

اتنی ڈرامائی نہیں ہوتی جتنی کہ لڑکوں کی ہوتی ہے۔ ایڈی پس صورتِ حال کے حوالے
سے
ہی فرائڈ دوصنفی (Bisexual) رجحانات کا ذکر کرتا ہے۔ بچہ ماں کے سامنے مردانہ رُجحانات کا اظہار کرتا ہے اور باپ کے سامنے زنانہ رُجحانات کا۔ یہ صورتِ حال اس وقت بہت پیچیدہ ہو جاتی ہے جب معکوس رجحان کے تحت ہم صنفی یا ہم جنسی (Homo Sexual) رویہ جڑ پکڑنے لگتا ہے۔(4)

پانچواں باب

جبلت اور نرگسیت

تیسرے باب ''شخصیت کے حرکی نظام'' میں ہم نے جبلت کی تعریف یوں کی تھی، ''یہ پیدائشی یا خلقی رُجحان ہے جو کہ نفسیاتی اعمال کی راہنمائی کرتا ہے۔'' ہم نے یہ بھی دیکھا کہ جبلت کے چار پہلو ہوتے ہیں۔ یعنی ایک اس کا کوئی سرچشمہ ہوتا ہے، دوسرے کوئی اس کا مقصد ہوتا ہے، تیسرے اس کا کوئی معروض یا ہدف ہوتا ہے اور چوتھے اس کی قوتِ محرکہ ہوتی ہے۔ جبلت کی ابتدائی نوعیت پر ہم نے باب مذکور میں روشنی ڈالی تھی۔ اس باب میں ہم اس موضوع سے قدرے تفصیلاً تعرض کرتے ہیں اور فرائڈ کی بعد میں پیش کی جانے والی تحقیقات کا جائزہ لیتے ہیں۔

بھوک، جنس، خطرے سے بچاؤ وغیرہ جیسی جبلتوں کا ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جبلتوں کی تعداد کیا ہے، فرائڈ اس کا جواب یہ دیتا ہے کہ جتنی جسمانی اور عضویاتی احتیاجات ہیں اتنی ہی جبلتیں ہیں کیوں کہ جبلت ایک جسمانی ضرورت ہی کی ذہنی تصویر ہوتی ہے۔ فرائڈ کہتا ہے کہ جبلتوں کی تعداد کے تعین کا کام ماہرین حیاتیات کا ہے۔

جبلتِ مرگ و جبلتِ حیات

فرائڈ نے اپنے آخری دَور کی تحریروں میں تمام قسم کی جبلتوں کی گروہ بندی دو

جبلتوں کے تحت کر دی ہے۔ ایک جبلت اس کے نزدیک جبلت حیات (Eros or Life Instinct) ہے۔ اس کے تحت وہ ان تمام جبلتوں کی تنظیم کر دیتا ہے جو حیات آفریں اور زندگی بخش ہوں۔ اس کے برعکس ایک دوسری جبلت، جبلت مرگ (Thanatos or Death Instinct) ہے جس کے تحت وہ تمام رُجحانات آ جاتے ہیں جو کہ عضویہ کو مادے کی غیر نامیاتی حالت کی طرف لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔

تحفظ ذات اور اشاعت ذات کی جبلتیں دراصل زندگی کے عمل کو آگے بڑھانے سے متعلق ہیں۔ اس لیے انہیں ''جبلت حیات'' میں مدغم کر دیا گیا۔ اس کے برعکس ایک جبلت مرگ ہے جو عضویہ کو غیر نامیاتی (Inorganic) مادے کی طرف دھکیلنے کا محرک ہے۔ جبلت حیات کا وظیفہ تو سمجھ میں آتا ہے کہ ہم تمام تعمیری رویوں اور بقائے نسل کی مثبت مساعی کو اس جبلت کی کارآفرینی کہہ سکتے ہیں لیکن جبلت مرگ کا مفروضہ چونکا دینے والا تھا جسے فرائڈ نے اپنے گہرے مشاہدہ و مطالعہ کی بنا پر وضع کیا تھا۔ وہ پہلے ولہیلم فلائز (Wilhelm Flies) کا ذکر کرتا ہے جس نے یہ نظریہ دیا تھا کہ ہر عضویہ کا ایک مخصوص و معین عرصہ حیات ہوتا ہے جس کی تکمیل پر وہ موت سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔ ولہیلم فلائز کے اس نظریہ سے یہ تاثر ملتا ہے کہ عضویہ کو جب تک زندہ رہنا ہوتا ہے، وہ زندہ رہتا ہے اور پھر موت گویا باہر سے آ کر اسے ختم کر دیتی ہے۔ فرائڈ اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہتا ہے کہ خارجی حالات اس پر اثرانداز ہو کر اسکے عرصہ حیات کو کم یا زیادہ کر سکتے ہیں لہٰذا موت کا اُصول خود عضویہ کے اندر ہونا چاہیے جو کہ خارجی حالات سے اثر پذیر ہوتا ہے اس کے بعد وہ وائزمین (Weisman) کا ذکر کرتا ہے جس نے کہا تھا کہ عضویہ کے دو حصے ہوتے ہیں، ایک اس کا جسم جسے وہ اصطلاح میں سوما (Soma) کہتا ہے اور دوسرا اس کا مادۂ تولید (Germ Plasm) ہوتا ہے۔ سوما وہ حصہ ہے جو فنا ہو جاتا ہے، لیکن مادہ تولید کو بقا حاصل ہے یعنی ایک ہی عضویہ سے کچھ خلیے جدا ہو کر علیحدہ افراد بن جانے کی اہلیت رکھتے ہیں۔

فرائڈ کے لیے ولہلم فلائیز اور وائزمین کے نظریات میں بڑی کشش تھی۔ لیکن وہ حیاتیاتی بحثوں میں زیادہ اُلجھ نہیں سکتا تھا کیوں کہ اس کا میدان تحقیق وہ نفسی اعمال تھے جو عضویہ کے ان حیاتیاتی اعمال سے پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان حیاتیاتی تحقیقات کو بُنیاد

بنا کر اس نے جبلت حیات اور جبلت مرگ کا نفسیاتی نظریہ پیش کیا۔ فرائڈ لکھتا ہے:

> ''حیات کی صفات شروع شروع میں کسی ایسی قوت کے ہاتھوں، غیر نامیاتی مادے کے اندر پیدا ہوئیں، جس کا ہم کوئی تصور حاصل نہیں کر سکتے۔ ممکن ہے یہ عمل اس عمل سے مشابہ رہا ہو جس سے بعد ازاں مادے کی کسی مخصوص شکل میں ''شعور'' پیدا ہوا۔ تب جو اطناب یا کھچاؤ پیدا ہوا، وہ یہ تھا کہ جو اب تک بے جان مادہ تھا اس نے (حیات پذیر ہونے کے بعد) اپنی اولین حالت کی طرف واپسی کی کوشش شروع کر دی اور خود کو منسوخ کرنا چاہا۔ اس طرح پہلی جبلت معرض وجود میں آئی۔ یعنی غیر نامیاتی مادے کی طرف پلٹ جانے کی جبلت۔ اس وقت ایک زندہ شے کے لیے اپنی اصل کی طرف لوٹ جانا نہایت آسان تھا۔ زندگی کی اولین شکلوں میں زندہ چیزوں کا عرصۂ حیات بھی غالباً بہت مختصر ہوتا تھا۔ شاید ایک لمبے عرصے تک زندہ جوہر مسلسل پیدا ہوتا اور مرتا رہا تا آنکہ فیصلہ کن خارجی اثرات اس طرح تبدیل ہوئے کہ جو زندہ تھا اسے پرانی ڈگر سے ہٹ جانے کا موقع مل گیا اور اس نے موت کی منزل پر پہنچنے سے پہلے کئی ''پیچیدہ موڑ'' پیدا کر لیے یہ تمام راستے جو کہ دائروں میں گھومتے ہوئے موت تک پہنچتے ہیں اور جبلتوں نے جنہیں اپنائے رکھا ... آج ہمیں زندگی کے مظہر کی صورت میں نظر آتے ہیں۔'' (1)

فرائڈ نے عضویاتی مشاہدے سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ عضویہ کے اندر دو قسم کے اعمال جاری و ساری ہوتے ہیں۔ ایک تعمیری یا انجذابی (Constructive or Assimilative) اور دوسرا تخریبی یا انتشاری (Destructive or Dissimilatory) اوّل الذکر کے تحت خلیے بنتے اور تعمیر ہوتے ہیں اور موخرالذکر کے تحت خلیے مرتے اور ختم ہوتے رہتے ہیں۔ خلیوں کی اس تعمیر و تخریب سے ہی عضویہ کا وجود برقرار رہتا ہے۔ حیاتیاتی مطالعہ سے اسے عضویاتی تعمیر و تخریب کا ایک اشارہ ملا، جسے اس نے اپنا کر جبلتِ حیات اور جبلتِ

مرگ کی صورت میں پیش کیا۔

فرائڈ کو جبلت مرگ کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی کہ جنگ عظیم اوّل کے بعد اس کے پاس بہت سے ایسے مریض لائے گئے جو جنگی عصبانیت (War Neusosis) میں مبتلا ہو چکے تھے۔ ایسے مریضوں کو خواب میں جنگ کے ہول ناک مناظر نظر آتے، ہر طرف موت ہی موت نظر آتی اور بموں کے دھماکے سنائی دیتے۔ اس کے علاوہ فرائڈ نے یہ محسول کیا کہ جنگ اور قتل و غارت گری سے لوگوں کو لاشعوری تسکین بھی ہوتی ہے۔(2) فرائڈ کو ایسے مریض بھی ملے جو لاشعوری طور پر اپنے مرض سے چمٹے رہنا چاہتے تھے۔ ان حالات میں فرائڈ کو اپنا پُرانا مفروضہ کہ اڈ پر اُصولِ لذت حکمرانی کرتا ہے، ترک کر دینا پڑا کیوں کہ اس اُصول کی رُو سے کشت وخون اور قتل و غارت میں افراد کی انفرادی اور اقوام کی اجتماعی تسکین کی تشریح ممکن نہ تھی۔ اس لیے فرائڈ نے 1920ء میں ''Beyond the Pleasure Principle'' نامی مقالہ لکھا جس میں باقاعدہ طور پر ''جبلتِ مرگ'' کی اصطلاح استعمال کی۔ جنس اور ایغو کی جبلتوں کو اس نے ''جبلتِ حیات'' کا نام دے دیا۔ اس مقالہ میں اس نے ثابت کیا کہ جبلت مرگ ہر زندہ شے کے اندر پائی جاتی ہے۔ یہ ایک ایسا رُجحان ہے جو عضویہ کو واپس غیر نامیاتی مادے کی اوّلین حالت مرگ میں لانے کی کوشش کرتا ہے۔

فرائڈ کہتا ہے کہ جبلت مرگ کبھی کبھی قاتلانہ اور متشددانہ رُوپ بھی اختیار کر لیتی ہے۔ یعنی ''مرنے'' کی خواہش ''مارنے'' کی خواہش بھی بن جاتی ہے۔ چنانچہ دوسروں کو مارنے کا عمل فرائڈ کے نزدیک جبلت مرگ کا ہی اظہار ہے۔ اسی مفروضے کی بُنیاد پر وہ اذیت کوشی (Masochism) اور اذیت پسندی (Sadism) کی تشریح کرتا ہے۔

فرائڈ کی اس نئی تعبیر میں ایغو جبلت حیات کا کارندہ بن جاتا ہے اور سُپر ایغو جبلت مرگ کا۔ ایغو حیات آفریں جذبوں کو پورا کرنے کے لیے راہِ عمل ڈھونڈتا ہے اور ماحول سے مطابقت اختیار کرتا ہے۔ جبلت مرگ تشدد اور جارحیت کا رُوپ اختیار کرتی ہے اور خارجی ماحول میں کسی کو اپنا نشانہ بناتی ہے۔ لیکن جب اس کے ردِعمل میں وہ خود جوابی جارحیت کا شکار ہوتی ہے تو خارجی جارح کو اپنا مثیل سمجھنے لگتی ہے۔ مثال کے طور پر جب بچہ یہ چاہتا ہے کہ وہ باپ سے بغاوت کر دے تو وہ اپنی جارحیت کا اظہار کرتا ہے۔

لیکن اسے جوابی جارحیت کا شکار بننا پڑتا ہے اور اسے سزا ملتی ہے۔ چنانچہ وہ خارجی اتھارٹی کو داخلی طور پر اپنا لیتا ہے۔ اس طرح اس کا سُپر ایغو تشدد اور جارحیت کو داخلی اُصول بنا لیتا ہے۔ اب اگر ایغو سُپر ایغو کے کسی اخلاقی حکم سے سرتابی کرتا ہے تو سُپر ایغو اسے سزا دیتا ہے۔ خود ایذائی (Self-Punishment) یا اذیت کوشی کے پیچھے سُپر ایغو کی جارحیت چھپی ہوتی ہے جو کہ دراصل جبلت مرگ کا ایک رُوپ ہے۔(3)

فرائڈ کی عمر کا آخری زمانہ جنگ و جدل اور بین الاقوامی کشمکش کا زمانہ تھا۔ مختلف قوموں کو برسرِ پیکار دیکھ کر فرائڈ کو خود اپنے اندر ایک قسم کا جارحانہ رُجحان اُبھرتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ چنانچہ اسے کسی ایسے اُصول کی تلاش تھی جس کے حوالے سے وہ انفرادی اور اجتماعی جارحیت اور تشدد پسندی کی تسلی بخش توجیہہ کر سکتا۔ اس کے ابتدائی دور کے نظریات کی اساس لبیدو کے امتناع پر تھی۔ اس کا خیال تھا کہ لبیدو یا جبلت حیات اور بیرونی ماحول کے مابین جب کشمکش پیدا ہوتی ہے تو اس سے متعدد ذہنی عوارض پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن اب اس کے سامنے سوال یہ تھا کہ انسان کی اذیت پسندی اور جارحانہ اور متشددانہ رُجحانات کی کیا توجیہہ پیش کی جائے۔ ظاہر ہے کہ انہیں لبیدو جبلت حیات سے اخذ نہیں کیا جا سکتا ۔ چنانچہ اب اس نے جبلت مرگ کا مفروضہ وضع کیا جس سے جارحیت و تشدد پسندی کی منطقی انداز میں تشریح کی جا سکتی تھی۔ اب فطرت انسانی کی وہ تصویر بدل گئی جس میں جنسیت کو اوّلیت حاصل تھی۔ اپنی عمر کے آخری دَور میں اس کے لیے جبلت حیات اور جبلت مرگ کی آویزش و آمیزش نفسیاتی اور عمرانی رویوں کے تشریح کے لیے راہنما اُصول بنی۔(4)

فرائڈ کو ایک اور وجہ سے بھی ''جبلت مرگ'' کے مفروضے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس نے صبیاتی جنسیت کی تشریح کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ بچے کی اولین جنسی سٹیج خودلذتی یا خودشہوتی کی ہوتی ہے، پھر بتدریج بچے کی لبیدو بیرونی اشیا یا اشخاص پر منتقل ہونا شروع ہو جاتی ہے لیکن بلوغت کے بعد بعض حالات میں لبیدو خودلذتی کی اوّلین سٹیج کی طرف مراجعت کرتی ہے۔ اسے اس نے نرگسیت کا نام دیا لیکن نرگسیت کی تشریح کے لیے بھی اسے جبلت مرگ کی ضرورت محسوس ہوئی۔

نرگسیت

قدیم یونانی دیومالا میں نارسی سس (Narcissus) نامی ایک کردار کا تذکرہ ملتا ہے۔ نارسی سس مردانہ حسن و وجاہت کا نمونہ ایک جوانِ رعنا تھا۔ نارسی سس کہیں جا رہا تھا کہ راستے میں اسے شفاف پانی کا چشمہ نظر آیا۔ وہ جب پانی پینے جھکا تو سطح آب کے آئینے میں اسے اپنا عکس نظر آیا۔ یہ عکس اس قدر خوبصورت اور سحر انگیز تھا کہ نارسی سس مبہوت ہو کر اسے دیکھتا رہ گیا۔ نہ اسے پانی پینے کا ہوش رہا اور نہ ہی وہاں سے ہٹنے کا اسے خیال آیا۔ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ چشمے میں کوئی اور شخص ہے جو اسے مسلسل دیکھ رہا ہے۔ نارسی سس وہیں بیٹھا رہا۔ اس کو اپنے ہی حسن و جمال کے سحر نے اس طرح جکڑ لیا کہ آخر وہ وہیں بیٹھے بیٹھے دم توڑ گیا۔ پھر اس کا جسم ایک نرگس کے پودے میں بدل گیا جس کا پھول سطح آب پر جھکا ہوا تھا۔

فرائڈ نے اس قصہ کی مناسبت سے نرگسیت کے ذہنی مرض (Narcisism) کی تشریح کی ہے۔ نرگسیت کا مریض وہ ہے جو اپنی ذات کی محبت میں گرفتار ہو۔ اس اصطلاح کا اطلاق مرد اور عورت دونوں پر ہوتا ہے۔ جو مرد اور عورت آئینے میں اپنا عکس دیکھ دیکھ کر خوش ہو اور اپنے خدوخال کی تعریفیں کر کے جنسی آسودگی حاصل کرے، نرگسی کہلائے گا۔ فرائڈ کے نزدیک حُبِ ذات اور خودستائشی کا جذبہ بھی نرگسیت کی ہلکی شکل ہے۔ لیکن اپنی شدت میں یہ رُجحان انشقاق ذہنی (Schizophrenia) کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ انشقاق ذہنی کا مرض دُنیاوی معاملات میں دلچسپی کھو دیتا ہے۔ اسے نہ لوگوں سے لگاؤ رہتا ہے اور نہ ہی اردگرد کے حالات و واقعات سے اس کا کوئی ذہنی و جذباتی تعلق رہتا ہے۔ وہ خارجی ماحول سے کٹ کر اپنے ہی افکار و خیالات میں مگن ہو جاتا ہے۔ بقول فرائڈ ایسے شخص کی لبیدو بیرونی دُنیا سے ہٹ کر خود اپنی ذات پر مرکوز یا منتقل ہو جاتی ہے۔ اس کے اسباب کئی ہو سکتے ہیں۔ مثلاً ناکام عشق، نامساعد معاشی و سماجی حالات، کسی فرد یا افراد کی بے وفائی یا دھوکا دہی وغیرہ۔ انشقاق ذہنی کے مرض میں نرگسیت کی شدت بہت زیادہ ہوتی ہے اس لیے اسے اختلالِ ذہنی (Psychosis) کی

ایک نمایاں مثال قرار دیا جا سکتا ہے۔ اکثر لوگوں میں کسی حد تک نرگسی رُجحانات ہوتے ہیں تاہم انہیں نفسیاتی مریض نہیں کہا جاتا۔ جیسے عاشق کی نظر محبوبہ میں کوئی خامی اور سقم تلاش کرنے سے قاصر رہتی ہے، ویسے ہی نرگسی رُجحان رکھنے والا اپنے عیوب اور خامیوں کا صحیح طرح اندازہ نہیں لگا سکتا۔ فرائڈ کہتا ہے کہ کسی حد تک ہم سب میں نرگسیت موجود ہوتی ہے لیکن جب کوئی شخص ہر وقت اپنی تعریفوں کے پُل باندھتا رہے، اپنی ذات کے بارے میں ڈینگیں مارتا رہے اور دوسروں کے جذبات واحساسات کا کوئی خیال نہ رکھے تو وہ شدید قسم کی نرگسیت میں مبتلا ہوتا ہے اور مریض کہلاتا ہے۔

فرائڈ کے لیے نرگسیت کا مفروضہ بڑا پُرکشش تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کے حوالے سے وہ بچے کی لبیدو اور اس کی مختلف اشخاص پر منتقلی کو ثابت کر سکتا تھا۔ بچے کی ابتدائی نشوونما میں اس کی لبیدو غیر متعین اور غیر واضح ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے گزشتہ صفحات میں دیکھا ہے بچے کی پہلی اسٹیج میں اس کی لبیدو کا کوئی مخصوص ہدف یا معروض نہیں ہوتا۔ یہ اسٹیج خودشہوتی یا خودلذتی کی اسٹیج ہے۔ بچہ اپنے ہی بعض نفسیاتی اور عضویاتی افعال و اعمال سے لذت حاصل کرتا ہے۔ اسے ہم ابتدائی نرگسیت (Primary Narcisism) کا نام دے سکتے ہیں۔ لیکن بعد ازاں لبیدو خارجی اشخاص یا اشیا پر منتقل یا مرکوز ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اس ضمن میں ماں کی شخصیت بہت اہم ہے کیوں کہ بچے کی فطری طور پر اس پر تشبیت (Fixation) ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد جوں جوں شخصیت بڑھتی پھولتی ہے لبیدو مختلف اشخاص پر منتقل ہوتی رہتی ہے۔ لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ انسان حُبِ ذات کو بالکل ہی ختم نہیں کر سکتا۔ چنانچہ نرگسیت کا کچھ عنصر ہر شخص کے اندر ہوتا ہے۔ نفسیاتی طور پر صحت مند آدمی میں لبیدو کا کچھ حصہ اپنی ذات پر مرکوز ہونا چاہیے اور کچھ حصہ دیگر افراد و اشخاص پر۔ تاہم مزاج اور طبائع کے فرق اور حالات و واقعات کی تبدیلی کی بنا پر لبیدو کے اس ارتکاز میں فرق پڑتا رہتا ہے۔ صورت حال اس وقت خراب ہوتی ہے جب کسی واقعہ یا صدمہ سے لبیدو خارجی ارتکاز سے ہٹ کر خود اپنی ذات پر ہی مرکوز ہو جائے۔ لبیدو کا یہ ارتکاز مریضانہ ہے اور اس سے شدید نرگسیت کا عارضہ پیدا ہوتا ہے۔

فرائڈ نے نرگسیت کا نظریہ تو قائم کر لیا لیکن وہ اسے اپنے ایک اساسی اُصول

یعنی محرکات کے تصادم (Conflict of Motives) سے ہم آہنگ نہ کر سکا۔ باالفاظِ دیگر جس شخص کی لبیدو خود اپنی ذات پر مرکوز ہو چکی ہو، اس کی شخصیت میں جاری تصادم کی توجیہہ کیونکر کی جائے کیوں کہ حُبِ ذات کے مقابل کوئی دوسرا داعیہ ہونا چاہیے جو اس سے ٹکرا سکے۔ یونگ (Jung) کی طرح وہ لبیدو کو ایسی جبلت تسلیم نہیں کرتا جو اپنے اندر تمام تضادات کو سموئے ہوئے ہے اور مختلف داعیات کو متحد رکھتی ہے۔ اس مسئلہ کو حل کرنے اور محرکات کی دوقُطبیت (Bipolarity) کو برقرار رکھنے کے لیے اس نے طویل عرصے تک غور و فکر کیا اور اپنے آخری دَور میں جبلت حیات کے ساتھ ساتھ جبلت مرگ کا مفروضہ بھی قائم کیا۔ (5)

چھٹا باب

تشویش

تشویش (Anxiety) تحلیل نفسی کا ایک نہایت اہم مسئلہ ہے۔ یہ انسانی شخصیت کی نشونما میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ فرائڈ اسے عصابنیت اور اختلال ذہنی کے علاج میں مرکزی حیثیت دیتا تھا۔

تشویش ایک نہایت تکلیف دہ جذباتی تجربہ ہے جو جسم کے بعض اعضا کی انگیخت یا تحریک کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ انگیخت یا تحریک ایسی خارجی یا داخلی مہیجات سے پیدا ہوتی ہے جسے خودکار نظام عصبی (Automatic Nervous System) کنٹرول کرتا ہے۔ مثال کے طور پر جب کوئی شخص کسی خوفناک صورتِ حال سے دوچار ہو جائے تو اس کے دل کی دھڑکن بہت تیز ہو جاتی ہے، منہ خشک ہو جاتا ہے اور ہاتھ پاؤں پسینے میں بھیگ جاتے ہیں۔ تشویش دیگر تکلیف دہ کیفیات مثلاً اطناب، کرب، افسردگی، یاسیت وغیرہ سے اس لیے مختلف ہے کہ اس میں شعوری ہونے کا وصف پایا جاتا ہے۔ یعنی کوئی شخص شعوری طور پر تشویش کو ان تکلیف دہ کیفیات سے ممیّز کر سکتا ہے جو بعض جسمانی احتیاجات مثلاً بھوک، پیاس، جنسی محرومی وغیرہ سے اطناب اضمحلال، افسردگی یا الم کی صورت میں پیدا ہوتی ہیں۔ چنانچہ تشویش لاشعوری نہیں ہو سکتی، بالکل ایسے ہی جیسے درد لاشعوری نہیں ہو سکتا۔ کوئی شخص تشویش کے اسباب وعلل سے بے خبر ہو سکتا ہے لیکن خود تشویش سے بے خبر نہیں رہ سکتا۔ اگر اسے تشویش لاحق ہو گی تو لازمی طور پر اسے اس کا شعور حاصل ہو گا۔ چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ تشویش انسان کا شعوری تجربہ ہے۔

تشویش خوف کی ہیجانی کیفیت کے مترادف ہے۔ تاہم فرائڈ خوف کے بجائے لفظ تشویش (Anxiety) کو ترجیح دیتا ہے۔ کیونکہ خوف بالعموم کسی خارجی شے کے حوالے سے ہوتا ہے۔ ہم کہتے ہیں فلاں آدمی فلاں شے سے خائف ہے۔ فرائڈ کہتا ہے کہ ضروری نہیں کہ خوف صرف خارجی شے کا ہی ہو۔ خوف کسی داخلی نفسی کیفیت سے بھی اُبھر سکتا ہے۔ اس لیے وہ خوف کے بجائے تشویش کی اصطلاح استعمال کرتا ہے جو خارجی کے ساتھ ساتھ داخلی اور نفسیاتی حوالہ بھی رکھتی ہے۔ فرائڈ کے نزدیک تشویش کی تین قسمیں ہیں۔ (1) معروضی تشویش، (2) عصابی تشویش، (3) اخلاقی تشویش۔ تشویش کی ان تینوں قسموں میں کیفیت کا کوئی فرق نہیں۔ تینوں میں ناخوشگوار اور تکلیف دہ احساس مشترک طور پر پایا جاتا ہے۔ تاہم اگر ان تینوں میں فرق ہے تو ان کے منبع و مصدر کا فرق ہے۔ معروضی تشویش یا تشویش حقیقت (Objective or Reality Anxeity) کا منبع خارجی حقیقت میں ہوتا ہے، مثلاً کوئی شخص کسی چور یا سانپ سے خائف ہو تو اسے معروضی یا تشویشِ حقیقت کہا جائے گا۔ عصابی تشویش (Neorotic Anxiety) کا منبع باہر نہیں خود نفسیاتی زندگی میں ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص کسی زبردست داخلی تحریک کے تحت کوئی ایسا کام کرنے پر مجبور ہو جائے جس سے اسے خود بھی نقصان پہنچنے کا احتمال ہو تو یہ عصابی تشویش کہلائے گی۔ اگر کسی شخص کا سُپر ایغو اسے کسی کام سے باز رکھے اور سزا کی دھمکی دے تو یہ اخلاقی تشویش (Moral Anxiety) کہلائے گی۔ مختصراً ہم کہہ سکتے ہیں کہ معروضی تشویش میں انسان کسی بیرونی شے یا دُشمن کے متوقع حملے سے خائف ہوتا ہے۔ عصابی تشویش میں اڈ کی سرکش تحریک سے خائف ہوتا ہے اور اخلاقی تشویش میں سُپر ایغو کی سرزنش اور سزا سے خائف ہوتا ہے۔

اوپر یہ کہا گیا ہے کہ تشویش ایک شعوری کیفیت ہے۔ مگر اس سے مطلب یہ نہیں لینا چاہیے کہ انسان کو لازماً اپنی تشویش کی علت کا بھی پتا ہوتا ہے۔ کئی دفعہ انسان کو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ کسی بیرونی شے یا شخص سے خائف ہے جب کہ درحقیقت اس کی تشویش اس کی اڈ یا سُپر ایغو سے اُبھر رہی ہوتی ہے۔ مثلاً ایک شخص تیز دھار خنجر پکڑنے یا قبضے میں رکھنے سے گھبراتا ہے۔ اب بظاہر اس کی تشویش ایک خارجی شے کی وجہ سے ہے لیکن درحقیقت وہ اس بات سے ڈر رہا ہوتا ہے کہ وہ خنجر بدست کسی پر حملہ آور نہ

ہو جائے۔ اس صورت میں اس کی تشویش کا اصل مخرج اس کی اپنی جارحیت ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص خطرناک پہاڑی علاقے میں جانے سے اس لیے خائف ہو کہ اس میں پاؤں رپٹ جانے اور کسی کھڈ وغیرہ میں گر جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ لیکن درحقیقت وہ سُپر ایغو سے خائف ہوتا ہے کہ کہیں اس کی سرزنش یا سرکوبی اسے کسی خطرناک ڈھلوان سے نیچے گرانے کا باعث نہ بن جائے۔ یہ ضروری نہیں کہ کسی تشویش کا ایک ہی مخرج ہو۔ بعض اوقات معروضی تشویش اور عصابی تشویش ایک ہی مخرج سے پیدا ہوسکتی ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ معروضی اور اخلاقی تشویش باہم دِگرمل جائیں۔ بعض حالات میں تو تینوں اقسامِ تشویش ایک دوسرے میں مدغم ہوسکتی ہیں۔

تشویش کا صرف ایک مقصد اور وظیفہ ہے اور وہ یہ کہ خطرے کی صورت میں یہ ایغو کو خبردار کر دے تاکہ ذہن میں جونہی خطرے کی گھنٹی بجے تو ایغو حفظِ ماتقدم کے تحت ضروری کارروائی کر سکے۔ تشویش اگرچہ ایک کرب ناک تجربہ ہے تاہم اس کی افادیت سے انکار ممکن نہیں۔ انسان اس کی وجہ سے اندرونی اور بیرونی خطرے سے ہوشیار و خبردار ہو جاتا ہے۔ اس طرح وہ داخلی یا خارجی خطرے سے بچنے کے لیے مناسب اقدامات کر سکتا ہے لیکن اگر اسے خطرے سے بچاؤ کی کوئی راہ نہ سوجھے اور تشویش میں اضافہ ہوتا رہے تو ایک خاص حد پر پہنچ کر تشویش عصبی شکستگی (Nervous Breakdown) کا باعث بن جاتی ہے۔(1)

ذیل مین ہم ان تینوں اقسام تشویش کا شخصیت کے حرکی نظام کے تناظر میں جائزہ لیتے ہیں۔

(الف) معروضی تشویش

معروضی تشویش جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے ایک ایسا کرب ناک ہیجانی تجربہ ہے جو کہ خارجی دُنیا میں کسی ممکنہ خطرے کے ادراک سے پیدا ہوتا ہے۔ خطرے کا مطلب خارجی دُنیا میں کوئی ایسی صورتِ حال ہے جو کسی شخص کے لیے باعث تہدی و تخویف بن سکے۔ خطرے کا ادراک اور تشویش کا پیدا ہونا پیدائشی بھی ہوسکتا ہے اور آموزشی بھی۔ یا اس میں دونوں عوامل کی آمیزش بھی ہوسکتی ہے۔ مثال کے طور پر اندھیرے سے خوف

ایک فطری اور پیدائشی رُجحان ہے کیونکہ انسان اس میں دُشمن کو دیکھ نہیں سکتا۔(2) پھر جب تجربہ سے اس نے سیکھا کہ اندھیرے میں شب خون مارے جاتے ہیں یا جنگلی جانور لوگوں کو اپنا شکار بناتے ہیں تو ایک پیدائشی رجحان نے ایک واقعی ہیجانی کیفیت اختیار کر لی۔

بچہ جب شیر خوارگی کے دَور میں ہوتا ہے تو بالکل بے دست وپا اور دوسروں کی اعانت وتوجہ کا مرہونِ منت ہوتا ہے۔ اس لیے اس دَور میں فطری طور پر وہ خطرے کے احساس سے مغلوب رہتا ہے۔ اس کا ایغو ابھی تشکیل پزیر نہیں ہوا ہوتا کہ وہ توانائی کا تراکم کر کے اپنا دفاع کر سکے۔ وہ تجربات جو کسی شخص کو ایسی تشویش اور خوف سے دوچار کر دیں کہ وہ خود کو بالکل بے دست و پا محسوس کرنے لگے ... یعنی تشویش اور خوف اس پر کلیتًا حاوی اور غالب ہو جائیں، جُرحی (Traumatic) تجربات کہلاتے ہیں۔ ایسے تجربات انسان کے اندر شیر خوارگی کا احساسِ عدم تحفظ پیدا کر دیتے ہیں۔ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو خارجی دُنیا کی طرف سے تجسسات اور مہیجات کی یلغار شروع ہو جاتی ہے۔ مختلف النوع آوازیں، رنگ اور روشنیاں، سردی گرمی کے احساسات، تلخ و شیریں ذائقے، خوش گوار یا ناگوار بُوئیں اس طرح اس کے عضویاتی نظام پر یورش کر دیتے ہیں کہ اسے ایک شدید قسم کا احساسِ بے بسی و عدم تحفظ ہوتا ہے۔ شکمِ مادر کی محفوظ اور مہربان پناہ گاہ سے دُنیا کے ماحول میں آ جانا اس کے لیے قیامت سے کم نہیں ہوتا۔ شکمِ مادر میں تحفظ کے ساتھ ساتھ اسکی عضویاتی احتیاجات بھی از خود پوری ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن دُنیا میں آنے کے بعد اسے اپنے اندر سے بھوک پیاس کی تحریکات بھی محسوس ہونے لگتی ہیں۔ اس طرح ایک قیامت اس کے ارد گرد برپا ہوتی ہے تو دوسری قیامت خود اس کے اپنے وجود میں شورش برپا کر دیتی ہے۔ بچے کا عضویاتی اور نفسیاتی نظام آہستہ آہستہ اس خارجی اور داخلی رُستخیزی سے مطابقت پذیر ہوتا ہے۔ اس لیے ابتدائی دِنوں میں بچے کی بہت زیادہ نگہ داشت اور حفاظت کرنا پڑتی ہے۔ رفتہ رفتہ بچے کے ردِعمل بہتر ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور وہ ماحول سے مطابقت اختیار کرنے لگتا ہے۔ لیکن ابتدائی دِنوں میں اس جُرحی تجربہ (Traumatic Experience) کے نقوش اس کے نظامِ عصبی پر اس قدر گہرے ثبت ہوتے ہیں کہ یہ ایک مستقل نفسیاتی رُجحان کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

چنانچہ جوانی میں جب کبھی کوئی شخص شدید حادثہ یا جاں گسل صدمہ کا شکار ہوتا ہے تو بچپن کے احساسِ عدم تحفظ کا دبا ہوا تاثر اُبھر آتا ہے اور اس کا رویہ غیر متوازن ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم کسی ممکنہ خطرے کو پہلے سے بھانپ کر حفاظتی اقدامات شروع کر دیتے ہیں۔ اگر خطرے یا صدمے سے مکمل بچاؤ ممکن نہ ہو تو ایسی تدبیر اختیار کرتے ہیں کہ اس کی شدت کم سے کم تر ہو جائے۔ خطرے سے پہلے ہی تشویش کی ہلکی سی علامات پیدا ہونے لگتی ہیں تاکہ بچپن کے جُرحی تجربہ کا اعادہ نہ ہونے پائے۔ کار چلاتے ہوئے، جنگل میں شکار کرتے ہوئے یا کوئی اور خطرناک کام کرتے ہوئے انسان کی تمام حسیات بیدار ہو جاتی ہیں اور ذرا ذرا سے خطرے سے اسے آگاہ کرتی رہتی ہیں۔ لیکن اگر کسی وجہ سے انسان خطرے کا مناسب تدارک نہ کر سکے تو وہ کوئی انتہائی اقدام بھی کر سکتا ہے۔ وہ کسی کو قتل کر سکتا ہے یا خودکشی کر سکتا ہے۔ یہ نہ کر سکے تو خود بے ہوش ہو جاتا ہے۔

(ب) عصبانی تشویش

عصبانی تشویش اس وقت پیدا ہوتی ہے جب جبلتوں کی طرف سے کسی ممکنہ خطرے کا ادراک ہوتا ہے۔ ایغو نے جبلی توانائی کے سیل تند کے آگے جو بند باندھے ہوتے ہیں (یعنی ایغو نے جو مزاحمتی تراکمات بنائے ہوتے ہیں) انہیں خطرہ لاحق ہو جاتا ہے اور انسان کو محسوس ہونے لگتا ہے کہ اس سے جبلی اور اضطراری اعمال سرزَد ہو جائیں گے۔

عصبانی تشویش کا اظہار تین صورتوں میں ممکن ہے۔ پہلی قسم وہ ہے جس میں انسان ہر دم ایک بے نام سے خوف اور اضطراب کا شکار رہتا ہے۔ وہ کسی مخصوص سے یا شخص سے خائف نہیں ہوتا بلکہ موہوم اندیشوں اور خطروں میں گھرے ہونے کا احساس ہر وقت اس کے اعصاب پر سوار رہتا ہے۔ ایسا شخص اپنے سائے سے بھی بدکتا ہے۔ پتّا بھی ہلے تو اس کی جان نکل جاتی ہے۔ آپ لاکھ اس سے پوچھیں کہ تم کیوں پریشان و خائف ہو، لیکن وہ کوئی تسلی بخش جواب نہ دے پائے گا۔ ایسے شخص کی جبلتوں کا سیلاب اس بند سے ٹکرا رہا ہوتا ہے جو اس کے ایغو نے اڈ کے سامنے باندھا ہوتا ہے۔ اسے خطرہ ہوتا ہے کہ یہ بند کہیں اڈ کی حیوانی و نفسی توانائی کی شوریدہ سر لہروں کے آگے دم نہ توڑ

دے۔ اس طرح اس کی بے نام تشویش کا باعث یہ امکان ہوتا ہے کہ کہیں ایغو اپنی مزاحمت ختم نہ کر دے اور اضطراری جبلی رویہ بچپن کی بے بسی کو واپس نہ لے آئے۔ بقول شاعر اسے ''وضعِ احتیاط'' سے دم رُکتا ہوا محسوس ہوتا ہے اور جنون کی حالت میں ''گریبان چاک'' کر دینے کا اندیشہ لاحق ہو جاتا ہے۔

عصبانی تشویش ایک اور صورت میں بھی نمودار ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں مریض شدید اور غیر معقول خوف کا شکار ہو جاتا ہے۔ اصطلاح میں اسے ترس ناکی یا فوبیا (Phobia) کہا جاتا ہے۔ فوبیا کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مریض کسی شے سے اس حد تک خائف ہو جاتا ہے کہ دیکھنے والا حیران رہ جاتا ہے کہ کسی شے سے اس حد تک خوف زدہ ہونے کی کیا وجہ ہے؟ مثلاً کوئی شخص بھیڑ بھاڑ، شوروغل، روشنی، چوراہے، اونچی یا کھلی جگہوں، چوہوں، بٹنوں، کیڑے مکوڑوں وغیرہ جیسی چیزوں سے مر جانے کی حد تک خائف ہو جائے تو ہم حیران ہوں گے کہ اسے کیا ہو گیا ہے۔ فوبیا کسی شے سے ہو سکتا ہے اور اس کا کوئی معقول جواز نظر نہیں آتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فوبیا یا ترسناکی کا منبع خارجی دُنیا کی اشیا میں نہیں بلکہ اڈ میں ہوتا ہے۔ فوبیا کا مریض لاشعوری طور پر کسی ناآسودہ خواہش کی تسکین چاہتا ہے۔ کوئی خارجی شے اس خواہش کی ایک علامت بن جاتی ہے یا اس کی تحریک و انگیخت کا باعث بنتی ہے۔ ہر فوبیا کے پیچھے اڈ کی کوئی بُنیادی اور وحشیانہ خواہش ہوتی ہے اور کوئی شے اس کا معروض یا علامت بن جاتی ہے تو وہ اس سے انتہائی خوف زدہ ہو جاتا ہے۔ وہ شخص اسی شے کا آرزومند ہوتا ہے جس سے وہ خائف ہوتا ہے اور آرزو کی شدت کے اعتبار سے ہی اس کا خوف بھی شدید ہوتا ہے۔

یہاں ہم اس نوجوان خاتون کی مثال دے سکتے ہیں جسے ربر چھونے سے انتہا درجے کا خوف محسوس ہوتا تھا۔ اسے اس خوف کی علت کا کوئی علم نہ تھا۔ وہ یہ کہتی تھی کہ اسے بچپن سے ہی یہ خوف لاحق ہے۔ تحلیل نفسی سے انکشاف ہوا کہ جب وہ بہت چھوٹی تھی تو اس کا باپ دو غبارے گھر لایا۔ ایک اس کے لے اور ایک اس کی چھوٹی بہن کے لئے۔ کسی وجہ سے غصہ میں آ کر اس نے اپنی بہن کا غبارہ پھاڑ دیا۔ اس پر اس کے باپ نے اسے بُری طرح پیٹ ڈالا۔ مزید تحلیل پر پتا چلا کہ وہ اپنی چھوٹی بہن سے بہت حسد کرتی تھی اور اندر ہی اندر اس کی موت کی دعائیں مانگا کرتی تھی تاکہ اپنے باپ کی محبت

کی وہ بلا شرکت غیرے مالک بن جائے۔ بہن کا غبارہ پھاڑنا اس کے خلاف نفرت اور دُشمنی کا اظہار تھا۔ اس پر ملنے والی سزا اور خود اس کے اپنے ضمیر کی ملامت ربر کے غبارے سے متلازم ہوگئی۔ چنانچہ جب کبھی وہ ربر کو چھوتی تو چھوٹی بہن کو قتل کر دینے کی دبی ہوئی خواہش لاشعور کے نہاں خانے میں کروٹ بدلتی اور ساتھ ہی سزا کا خوف اور احساسِ جرم پوری شدت سے اُبھر آتا۔

بعض حالات میں ترسنا کی یا فوبیا کی شدت اخلاقی تشویش کے عمل دخل سے فزوں تر ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں اپنی ہی مطلوبہ شے سے مریض خوف کھاتا ہے کیوں کہ یہ سُپر ایغو کے کسی اخلاقی ضابطے سے متصادم ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر اگر کسی عورت کو بغیر کسی عقلی جواز کے یہ خوف لاحق ہو جائے کہ اس پر مجرمانہ حملہ ہو جائے گا تو اس کی تشریح یہ ہوگی کہ وہ لاشعوری طور پر جنسی تسکین کی خواہش مند ہے لیکن اس کا سُپر ایغو اس خواہش پر اسے سرزنش کرتا ہے۔ وہ درحقیقت عصمت دری سے خائف نہیں بلکہ لاشعوری طور پر اس کی طلب گار ہے۔ خائف وہ اپنے ضمیر کی آواز سے ہے جو ایسی شنیع خواہش پر اسے ہدفِ ملامت بناتا ہے۔ باالفاظِ دیگر اس کی شخصیت کا ایک حصہ دوسرے حصے سے متصادم ہے۔ اڈ کہتی ہے، ''میں یہ چاہتی ہوں۔'' سُپر ایغو حکم سناتا ہے، ''کتنی شرمناک اور غلیظ خواہش ہے!'' ایغو کہتا ہے، ''میں خوف زدہ ہوں۔'' یوں بذریعہ تحلیل اکثر ''ترسنا کیوں'' اور فوبیاز کی تشریح کی جاسکتی ہے۔

عصابی تشویش کی تیسری صورت ''ہراسی ردِ عمل'' (Panic Reaction) کے طور پر پیدا ہوتی ہے۔ ''ہراسی ردِعمل'' بغیر کسی ظاہری سبب کے دفعتہً پیدا ہو جاتے ہیں کبھی کبھی ایسی خبر سننے میں آ جاتی ہے کہ کسی شخص نے بھاگتے ہوئے اندھا دھند فائرنگ کر کے متعدد ایسے لوگوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا جنہیں وہ جانتا تک نہیں تھا۔ بعد میں اگر اس سے پوچھا جائے کہ اس نے ایسا کیوں کیا تو وہ کوئی جواب نہیں دے پاتا۔ زیادہ سے زیادہ وہ یہ کہتا ہے کہ میں اتنا زیادہ ہراساں تھا اور میرے اعصاب اتنے کشیدہ تھے کہ میں کچھ نہ کچھ کر گزرنا چاہ رہا تھا۔ ایسے حالت میں اڈ کا اطناب اتنا بڑھ جاتا ہے کہ عصابی تشویش کا مریض پھٹ پڑتا ہے اور ''ہراسی ردِعمل'' کے طور پر کسی بھیانک جرم کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے۔ اس صورتِ حال میں صبر وضبط کے تمام بندھن جبلی توانائی کے

سیلاب میں بہہ جاتے ہیں اور ایغو اور سُپر ایغو مفلوج ہو کر رہ جاتے ہیں۔(3)

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر اسی ردِعمل انتہائی قسم کا ردِعمل ہوتا ہے اور مندرجہ بالا مثال میں اس کی شدید ترین صورت کا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن یہ ردِعمل اپنی ہلکی اور خفیف صورتوں میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ بعض اوقات ایک شخص کوئی ایسی حرکت کرتا ہے جو اس کے مرتبے مقام اور کردار سے متوقع نہیں ہوتی۔ مثلاً وہ کسی کو نہایت غلیظ گالی دے دے گا، کسی سٹور سے کوئی معمولی سی چیز چرا لے گا یا کسی شخصیت کے بارے میں کوئی رکیک بات کہہ دے گا۔ ایسی صورت میں کہا جائے گا کہ وہ شخص اضطراری طور پر ایسا کر رہا ہے اس طرح کے اضطراری اور ہیجانی اعمال اڈ پر ایغو کا دباؤ کم کر دیتے ہیں اور عصبانی تشویش میں افاقہ کا باعث بنتے ہیں۔

اب ظاہر ہے کہ ایسے اضطراری اعمال عصبانی تشویش میں تو کسی حد تک کمی کرتے ہیں، لیکن تشویشِ حقیقت یا معروضی تشویش میں اضافہ کر دیتے ہیں، جو بچہ چوری کرے یا تخریبی کام کرے اسے سزا ملتی ہے یا سرزنش ہوتی ہے۔ اس طرح بچہ اضطراری افعال پر قابو پانا سیکھ جاتا ہے۔ لیکن بعض بچے سزا اور سرزنش کو خاطر میں نہیں لاتے اور اسی طرح چوریاں اور تخریب کاریاں کرتے بڑے ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی تادیب یا گوشمالی کے لیے قانون حرکت میں آتا ہے۔ لیکن یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض حالات میں قانون کا احترام کرنے والے شہری بھی اضطراری اور جبلی ردِعمل کے تحت قانون شکنی کر بیٹھتے ہیں۔ قانون شکنی دراصل ان کی عصبانی تشویش اور اڈ کے تقاضوں پر ایغو کے بوجھ میں کمی کا باعث بنتی ہے۔

عصبانی تشویش کو اس لحاظ سے تشویشِ حقیقت کی آفریدہ قرار دیا جا سکتا ہے کہ شروع میں انسان کو اپنے جبلی تقاضوں سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جبلت جب خارجی اشیا یا اشخاص سے اپنا رشتہ تلازم استوار کرتی ہے، تب خوف یا تشویش کا عنصر بھی پیدا ہوتا ہے لیکن یہ خوف یا تشویش اسی صورت میں پیدا ہوتی ہے جب جبلی تقاضے کی تکمیل میں اس کی سرزنش ہوئی ہو یا اسے سزا ملی ہو۔ جب اپنی بظاہر معصوم خواہشات کی تکمیل کے سلسلے میں وہ مصائب و آلام کا شکار ہوتا ہے یا سزائیں سہتا ہے تو پھر اسے معلوم ہوتا ہے کہ جبلتیں کتنی خوف ناک ہیں۔ بچے کو جب اپنے جبلی اور اضطراری

طرزِ عمل پر تھپڑ یا بید پڑتے ہیں تو اس سے اسے ایک احساسِ ذلت و کرب ہوتا ہے۔ وہ جبلی اظہار کو ممکنہ حد تک دبانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس طرح عصابی تشویش پیدا ہوتی ہے۔

عصابی تشویش معروضی تشویش سے کہیں زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے اور ایغو کے لیے کوہِ گراں ثابت ہوتی ہے۔ جیسے جیسے ہم بڑے ہوتے جاتے ہیں ہم بیرونی خطرات سے بچاؤ کے گر سیکھتے جاتے ہیں۔ ہمیں پتا چلتا جاتا ہے کہ الم ناک اور خطرناک صورت حال سے کیسے بچاؤ کرنا ہے۔ یہ عمل بچپن سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن عصابی تشویش کا مرکز چونکہ خود ہمارے اندر ہوتا ہے، اس لیے اس سے عہدہ برآ ہونا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ بلکہ بعض حالت میں تو عصابی تشویش سے مفر ممکن ہی نہیں ہوتا۔ اگلے باب میں ہم دیکھیں گے کہ ایغو کس طرح عصابی اور اخلاقی تشویش کا مقابلہ کرتا ہے۔ ترسناکیوں اور نفسیاتی اندیشوں سے بچاؤ کے انداز و اطوار شخصیت کی تعمیر و ترقی پر فیصلہ کن اثرات مرتب کرتے ہیں۔ یہاں یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ عصابی تشویش صرف عصابی مریضوں کا ہی مقدر نہیں نارمل لوگوں کے اندر بھی یہ مختلف اوقات پر مختلف درجوں میں ظاہر ہوتی رہتی ہے۔ تاہم نارمل آدمی بحیثیت مجموعی نارمل رہا ہے لیکن عصابیت کے مریض کی زندگی پر عصابی تشویش کے سائے مستقلاً منڈلاتے رہتے ہیں۔(4)

(ج) اخلاقی تشویش

اخلاقی تشویش احساسِ جرم یا احساسِ گناہ کی پیدا کردہ ہے۔ یہ اس وقت پیدا ہوتی ہے جب ضمیر کی ملامت اور سُپر ایغو کی سرزنش ایغو کے لیے خطرے کا باعث بنتی ہے۔ ایغو ''آئیڈیل شخصیت'' میں بعض اخلاقی نصب العین یا آدرش راسخ کر دیتا ہے۔ ایغو آئیڈیل سُپر ایغو کا ایک پہلو ہے۔ دوسرا پہلو ضمیر ہے جو کہ دراصل والدین کی اتھارٹی اور ان کے تحکم کا داخلی نمائندہ ہوتا ہے۔ یہ ایغو کو شرم ناک افعال، بلکہ محض شرم ناک خیالات پر بھی سرزنش کرتا ہے اور خطرناک دھمکیاں دیتا ہے۔ سُپر ایغو والدین کی نمائندگی کرتا ہے اخلاقی تشویش بنیادی طور پر والدین کی تہدید و تخویف سے ماخوذ ہوتی ہے۔

عصابی تشویش کی طرح اخلاقی تشویش کا مرکز و مخرج بھی شخصیت کی اندرونی ساخت میں ہوتا ہے۔ عصابی تشویش کی ہی طرح انسان اخلاقی تشویش سے کوئی راہِ فرار نہیں پاتا۔ احساسِ جرم و خطا اور ضمیر کی ملامت کوہِ گراں کی طرح اس کے سینے پر بوجھ ڈالے رکھتے ہیں۔ اس طرح یہ کشمکش خالصتہً نفسیاتی اور داخلی ہوتی ہے اور بیرونی دُنیا سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ (5)

اخلاقی تشویش کا عصابی تشویش سے گہرا تعلق ہوتا ہے کیونکہ اڈ کے ہیجانی اور جبلی تقاضے سُپر ایغو کے سب سے بڑے دُشمن ہوتے ہیں۔ ماں باپ کی تربیت کا بڑا مقصد ان تقاضوں کا نظم و ضبط اور تہذیب ہوتا ہے۔ ضمیر میں والدین کے نواہی کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے کہ یہ نہ کرو وہ نہ کرو۔ یہی وجہ ہے کہ ایک متقی اور پرہیزگار آدمی فاسق و فاجر کی بہ نسبت ضمیر کی لعنت ملامت کا زیادہ نشانہ بنتا ہے۔ متقی اور پرہیزگار کے لیے محض بُرے خیالات ہی باعثِ شرم و ملامت ہوتے ہیں۔ جو شخص اپنی فطری اور جبلی ترغیبات کو دبانے پر غیر معمولی قوت صرف کرتا ہے وہ ان کے بارے میں زیادہ غور و فکر بھی کرتا ہے۔ چونکہ ان کے اظہار کا اس کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہوتا اس لیے وہ ان کے بارے میں بھی سوچتا رہتا ہے اور خود نفریں کرتا رہتا ہے۔ اس کے برعکس وہ شخص جو پرہیزگاری اور اخلاقی ضابطوں میں اتنا متشدد نہیں جب فطری ترغیبات کے بارے میں سوچتا ہے تو اس کا ضمیر اسے ملامت نہیں کرتا کیوں کہ اس کا سُپر ایغو کمزور ہوتا ہے۔ ایک اخلاق پرست شخص کو اپنے جبلی تقاضوں کو غیر فطری طور پر دبانے کی سزا یہ ملتی ہے کہ وہ ایک مستقل احساسِ جرم و خطا کا شکار ہو جاتا ہے۔

تشویش ایغو کے لیے خطرے کی گھنٹی کا کام دیتی ہے۔ معروضی تشویش میں انسان کو کسی خارجی خطرے کا پتا چل جاتا ہے اور وہ بروقت احتیاطی تدابیر اختیار کر کے نقصان اور تکلیف سے محفوظ ہو سکتا ہے۔ لیکن اخلاقی تشویش اور عصابی تشویش میں خطرے کا مرکز باہر نہیں اندر ہوتا ہے۔ مزید برآں اس خطرے سے بچاؤ بھی اس کے لیے بہت مشکل ہوتا ہے۔ سُپر ایغو کی تہدید یا اڈ کے تقاضے بعض حالات میں اتنے شدید اور ناقابل برداشت ہو جاتے ہیں کہ انسان اپنے بوجھ کو کم کرنے کے لیے بیرونی دُنیا سے سزا اور اذیت کو دعوت دیتا ہے۔ مثلاً وہ اضطراری طور پر کوئی جرم کرتا ہے اور آسانی سے

گرفت میں آ جاتا ہے۔اس طرح وہ سمجھتا ہے کہ شاید اس کے سینے کا بوجھ کم ہو جائے۔
ہم کہہ سکتے ہیں کہ اخلاقی اور عصابی تشویش ایغو کے لیے خطرے کی گھنٹی نہیں بلکہ خود
بہت بڑا خطرہ ثابت ہوتے ہیں۔

ساتواں باب

شخصیت کی نمو

شخصیت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ہمیشہ نموئی مراحل طے کرتی رہتی ہے۔ شیر خوارگی، طفولیت اور عنفوانِ شباب ایسے ہی مراحل ہیں۔ ساخت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ شخصیت کے نموئی عمل میں ایغو کے خدوخال بتدریج واضح اور معین ہوتے جاتے ہیں۔ حرکی نوعیت کے حوالے سے دیکھا جائے تو پتا چلتا ہے کہ شخصیت کی نشوونما کے ساتھ ایغونفسی اور جبلی توانائی کو بہتر اور موثر انداز میں بروئے کار لانے کا اہل بنتا جاتا ہے۔ سیرت و کردار کے نقوش بنتے اور سنورتے جاتے ہیں، دلچسپیاں، مقاصد اور اہداف وسعت اختیار کرتے ہیں اور تفکر، ادراک اور حافظہ وغیرہ جیسے ذہنی اعمال وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ پختہ ہوتے جاتے ہیں۔ اڈ، ایغو اور سُپر ایغو کے نظام عضویاتی نمو کے ساتھ بہتر طور پر توافق و تعامل کرنے لگتے ہیں اور شخصیت بحیثیت مجموعی مضبوط تر اور مستحکم تر ہوتی جاتی ہے۔ جیسے جیسے انسان عمر کی منزلیں طے کرتا جاتا ہے اس کے تراکمات اور مزاحمتی تراکمات بھی زیادہ سے زیادہ مستحکم اور استوار ہوتے جاتے ہیں اور وہ اپنی خبیت، مایوسی، تشویش اور اضمحلال وغیرہ سے نمٹنے کے لیے نئے نئے گُر سیکھتا ہے۔ یہ اور اس طرح کے متعدد نموئی تغیرات پانچ عوامل کے تحت وقو پذیر ہوتے ہیں۔ (1) بلوغ، (2) بیرونی حالات کے تحت پیدا ہونے والی الم ناک مایوسی اور خبیت، (3) اندرونی اسباب (تراکمات اور مزاحمتی تراکمات کے تصادم) سے پیدا ہونے والی الم ناک مایوسی اور خبیت، (4) ذاتی نااہلی، اور (5) تشویش۔

دورانِ بلوغ نموئی مراحل ازخود فطری طور پر طے ہوتے جاتے ہیں۔ مثال

کے طور پر بچہ چلنے کی اہلیت خود بخود پیدا کرتا ہے۔ شروع شروع میں بچہ خود حرکتی (Locomotion) کی اہلیت سے محروم ہوتا ہے۔ لیکن جیسے جیسے اس کے عضلات، رگ پٹھے، ہڈیاں، نظام عصبی وغیرہ استوار ہوتے جاتے ہیں ویسے ویسے وہ ہاتھ پاؤں چلانے، سر اُٹھائے رکھنے اور ڈگمگاتے قدموں سے چلنے کی مربوط سعی و جہد کرنے لگتا ہے۔ اسی طرح بولنے کی صلاحیت بھی بتدریج اور منظم کوششوں کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔ ادراک، حافظہ، آموزش، قوت فیصلہ اور تفکر جیسے ذہنی اعمال مرکزی نظام عصبی (Central Nervous System) کے استحکام کے ساتھ ساتھ بڑھتے پھولتے ہیں۔ دروں افرازی غدود (Endocrine Gland) ہارمونز کی فعلیت کے ساتھ جبلتوں، بالخصوص جنسی جبلت میں تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ بلوغ کا عمل ہمہ جہت ہے اور شخصیت کے تمام پہلوؤں (نفسیاتی اور عضویاتی) پر حاوی ہے۔ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو ہمیں پتا چلے گا کہ بلوغ کا عمل اور آموزش کا عمل باہم دِگر لازم وملزوم ہیں۔

اگر کسی تکلیف دہ انگیخت یا تحریک کو نکاسی کا راستہ نہ ملے تو اس سے خیبت (Frustration) پیدا ہوتی ہے۔ بالفاظِ دیگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ خیبت اُصول لذت کا راستہ مسدود کر دیتی ہے۔ کوئی شخص اس لیے بھی غائب ہوسکتا ہے کہ اسے اپنا مطلوبہ ہدف یا مطلوبہ شے بیرونی دُنیا میں نہ ملے۔ اس صورت میں خیبت معدومی (Privation) کہلائے گی۔ مزید برآں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی کا مطلوبہ ہدف یا شے بیرونی دُنیا میں موجود ہو لیکن اسے اس کے حصول سے روک دیا جائے۔ اس صورت میں جو خیبت پیدا ہو گی، اسے محرومی (Deprivation) کہا جائے گا۔ ہم معدومی اور محرومی کو خارجی خیبت کہہ سکتے ہیں کیوں کہ ان کے اسباب وعلل خارجی دُنیا میں ہوتے ہیں۔

یہ ضروری نہیں کہ خیبت خارجی عوامل کے تحت ہی پیدا ہو۔ یہ داخلی طور پر بھی پیدا ہوسکتی ہے۔ کسی شخص کو تسکین حاصل کرنے سے اندرونی قوتیں یا مزاحمتی تراکمات بھی روک سکتے ہیں۔ اس ے اصطلاح میں تصادم (Conflict) کہا جاتا ہے۔ تصادم کے علاوہ اگر کوئی شخص حصولِ تسکین کے لیے مطلوبہ مہارت، تجربہ یا اہلیت نہ رکھتا ہو تب بھی خیبت داخلی طور پر پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسی کمزوریاں، اسقام یا ناتجربہ کاریاں جو فرد کے اندر موجود ہوں، نااہلی (Inadequacy) کہلاتی ہیں۔ ان کے علاوہ خیبت خوف سے

پیدا ہوسکتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص کسی شے کا آرزومند ہو لیکن وہ اس کے حصول سے صرف اس لیے باز رہے کہ اسے اس سے کسی قسم کا خوف و خطر لاحق ہو۔ یہ خوف معروضی بھی ہوسکتا ہے اور عصابی یا اخلاقی بھی!

شخصیت کی نمو کا بُنیادی نکتہ یہ ہے کہ انسان کس طرح اپنی راہ میں مزاحم قوتوں سے عہدہ برآ ہوتا ہے اور تسویہ (Adjustment) حاصل کرتا ہے۔ جس طرح کوئی شخص اپنی راہ کی رُکاوٹوں اور مزاحمتوں کو دُور کرے گا، اسی مناسبت سے اس کی شخصیت تشکیل پائے گی۔ اس مقصد کے لیے جو انداز و اطوار اور طریق ہائے کار نفسیاتی طور پر پیدا ہوتے ہیں یہ ہیں: (1) مماثلت کاری (1)، (2) استبدال اور تصعید، (3) دفاعی میکانیت اور (4) استحالہ جبلت بذریعہ امتزاج و مفاہمت۔ ذیل میں ہم ان کا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں۔

(1) مماثلت کاری

شخصیت کی حرکی نظام کی تشریح میں ہم مماثلت کاری کا ذکر کر چکے ہیں کہ ایغو اور سُپر ایغو اڈ سے توانائی حاصل کر کے ایسے تراکمات بناتے ہیں جو اڈ کے تراکمات معروضی سے مشابہ ہوتے ہیں۔ لیکن اب ہم مماثلت (Identification) کی تعریف اس طرح کریں گے کہ یہ بیرونی اشیا بالخصوص اشخاص کی صفات کو داخلی طور پر اپنانے کا عمل ہے۔ یعنی دوسروں کی صفات کو اپنی ذاتی صفات بنانے کا عمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بچے اپنے والدین کے رنگ ڈھنگ اپنا لیتے ہیں اور ان کے مثیل بن جاتے ہیں۔ دوسرے لوگوں کی نقل کرنا اور ان کی صفات کو اپنانا شخصیت کی نمو کا ایک اہم عنصر ہے۔

مماثلت کاری کن صورتوں میں وقوع پذیر ہوتی ہے؟ یہ عموماً چار صورتوں میں پیدا ہوتی ہے۔ پہلی صورت یہ ہے کہ ابتدائی نرگسی رُجحانات (مثلاً حُبِ ذات) کے تحت بچہ اپنی ہی مردانہ خدوخال کو بھی پسند کرے گا۔ اس لیے نہیں کہ وہ انہیں اپنانا چاہتا ہے بلکہ اس لیے کہ یہ اس کا اپنا عکس ہوں گے۔ ہم ہمیشہ ایسے لوگوں کو پسند کرتے ہیں جو ہمارے جیسے ہوں۔ اس کا اطلاق نہ صرف ذاتی ملکیت کی اشیا پر ہوتا ہے بلکہ ذاتی خصوصیات پر بھی ہوتا ہے۔ مثلاً جو شخص پارکر کا پین استعمال کرتا ہے، فطری طور پر ایسے شخص کو پسند کرے گا جو پارکر کا پین استعمال کر رہا ہو۔ یہ مماثلت کاری نرگسیتی مماثلت

کاری (Narcissistic Identification) کہلاتی ہے۔ اس میں کوئی شخص اپنی ذاتی اشیائے صرف یا ذاتی خصوصیات کے حوالے سے دوسروں کو پسند کرتا ہے۔ کتابوں کا شائق ایسے شخص سے ایک لگاؤ سا محسوس کرے گا جو خود بھی کتابوں کا شائق ہو۔ اسی طرح ایک مقرر کسی دوسرے مقرر سے ایک ذہنی ہم آہنگی یا جذباتی مناسبت محسوس کرے گا۔ لیکن ہمیں یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ نرگسیتی مماثلت کاری تراکم معروض سے مختلف ہوتی ہے۔ تراکم معروض میں کوئی شخص کسی چیز کو حاصل کرنا چاہتا ہے جب کہ نرگسیتی مماثلت کاری میں وہ شے اسے پہلے ہی حاصل ہوتی ہے اور وہ اس کے حصول کی کوئی خواہش نہیں رکھتا۔ اگر کسی فرد میں نرگسی رُجحان شدید ہو تو وہ اپنی محبت کا ارتکاز بھی اس شخص پر کرے گا جو اس کا مثیل ہو۔ ہم جنسیت (Homosexuality) کی عموماً یہی وجہ ہوتی ہے۔ یہی رُجحان ان مردوں میں بھی دیکھنے میں آتا ہے جو ہم جنسیت کا شکار نہ ہوتے ہوئے بھی ایسی عورتوں کے عاشق ہوتے ہیں جو واضح قسم کی مردانگی رکھتی ہوں۔ ایسی عورتیں بھی مل جاتی ہیں جو ایسے مردوں کو پسند کرتی ہیں جو نسوانی خدوخال اور زنانہ مزاج کے مالک ہوں۔ (2) فرائڈ کہتا ہے کہ ایسے افراد نارسی سس کی طرح اپنے محبوب میں دراصل اپنا ہی چہرہ دیکھتے ہیں۔

فرائڈ سماجی اور سیاسی سطح پر بننے والے گروہوں اور پارٹیوں کے پس پردہ نرگسی مماثلت کاری کے رُجحان کو کارفرما دیکھتا ہے۔ ایک ہی پارٹی کے دو ارکان کے درمیان ایک قدرِ مشترک اس پارٹی کی ''رُکنیت'' ہوتی ہے۔ کسی مفاد، قدر، دلچسپی یا شے کا اشتراک لوگوں میں باہمی پسندیدگی کا جذبہ پیدا کرتا ہے اور لوگ دوسروں کی پسند و ناپسند کی جھلک دیکھتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں اس سے رقابت حسد اور مخاصمت کے جذبات بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ یہ بات عجیب محسوس ہوتی ہے کہ رقیب سے ذہنی لگاؤ رکھا جائے۔ لیکن یہ ایک امر واقعہ ہے کہ کوئی شخص جہاں رقیب سے حسد اور دُشمنی محسوس کرتا ہے، وہیں ایک خاص جذباتی اور ذہنی ہم آہنگی بھی محسوس کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی ایک دوسرے کے خون کے پیاسے گہرے دوست بن جاتے ہیں اور رقابت و مخاصمت، اشتراک و معاونت میں بدل جاتی ہے۔

مماثلت کاری کی دوسری صورت خبیت اور تشویش کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔

اسے سمجھنے کے لیے ایک ایسی لڑکی کی مثال لیجیے جو محبت کی متلاشی ہے، جو یہ شدید خواہش رکھتی ہے کہ اسے چاہا جائے۔ وہ اپنی ان سہیلیوں کو دیکھتی ہے جو عشق و محبت کا تجربہ رکھتی ہیں۔ وہ اپنا موازنہ ان سے کرے گی اور اس بات پر غور کرے گی کہ ان میں کیا ہے جو اس میں نہیں۔ چنانچہ وہ خود کو ان جیسا بنانے کی کوشش شروع کر دے گی۔ ان کے رنگ ڈھنگ اور انداز و اطوار اپنائے گی تا کہ اس طرح اسے بھی وہ مقصود مل جائے جس سے وہ بہرہ مند ہیں۔ اس طرح کی مماثلت کاری کو مقصدی(Goal-Oriented) مماثلت کاری کہا جاتا ہے۔ یہ مماثلت کاری کی دوسری قسم ہے۔ اسے کئی مثالوں سے واضح کیا جا سکتا ہے۔ بچہ اپنی خواہشات کی تکمیل اور مقاصد کے حصول کے لیے ماں باپ کا نمونہ اپناتا ہے۔ لیکن اگر ماں باپ کا نمونہ ناکافی ثابت ہو تو وہ دوسرے اشخاص یا ذرائع کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اسے فلموں کے ہیرو یا ولن پسند آئیں گے اور وہ ان کے ساتھ خود کو منسوب کرے گا اور عوضی یا خیالی (Vicarious) تسکین و تشفی پائے گا۔ شہرت کا طلبگار اگر خود مشہور آدمی نہیں بن سکتا تو مشاہیر کا مطالعہ کرے گا یا ان سے ربط ضبط بڑھائے گا۔ یہاں یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ مقصدی مماثلت کاری عموماً جزوی ہوتی ہے۔ بچہ اگر باپ کی سی طاقت حاصل کرنے کا خواہش مند ہے تو وہ باپ کی صرف اسی خصوصیت کو بطور نمونہ اپنے پاس رکھے گا۔ اس کے باپ کی دوسری خصوصیات مثلاً شکار کرنا، کتابیں پڑھنا وغیرہ اسے مائل نہیں کریں گی کیوں کہ وہ ان میں دلچسپی نہیں رکھتا۔ تاہم یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کی کوئی مخصوص صلاحیت اپناتے ہوئے بالآخر اس کی پوری شخصیت سے متاثر ہو جاتا ہے اور دیگر اچھی بُری خصوصیات کو بھی اپنا لیتا ہے۔ مماثلت کاری کی تیسری قسم اعدام معروض ہے جس میں کوئی شخص اپنا مطلوب و مقصود کھو بیٹھتا ہے اور بعدازاں خود اس جیسا بن کر اسے دوبارہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔(3)

مماثلت کاری کی چوتھی صورت یہ ہے کہ انسان اپنے سے فائق کسی شخص یا حاکم کے نواہی اور ممنوعات کو داخلی طور پر اپنا لے۔ اس قسم کی مماثلت کاری کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ نافرمانی کی سزا سے بچا جائے۔ یہ مماثلت کاری محبت کی بجائے خوف کے زیر اثر عمل میں آتی ہے۔ ضمیر کا دارومدار ایسی مماثلت کاری پر ہے۔ سب سے پہلے والدین کے نواہی بچے کی شخصیت کا حصہ بنتے ہیں۔ اس طرح مزاحمتی تراکمات بنتے ہیں اور بچہ چاہنے

کے باوجود کئی کاموں سے باز رہتا ہے۔ جیسے جیسے بچہ بڑا ہوتا جاتا ہے والدین کے علاوہ اساتذہ اور ریاستی ادارے بھی اس مماثلت کاری میں اپنا کردار ادا کرنے لگتے ہیں۔

بااختیار اشخاص (Authority Figures) کی ساتھ مماثلت اختیار کرنے سے بچے کی شخصیت سماجی اور معاشرتی قالب میں ڈھلتی ہے۔ وہ اپنے آپ پر ایسے ضابطے اور پابندیاں عائد کر لیتا ہے جو اربابِ اقتدار و اختیار سماجی زندگی کے لیے وضع کرتے ہیں۔ اس طرح وہ حکم عدولی کی سزا سے بچ کر اطاعت و فرماں برداری کا رویہ اختیار کرتا ہے۔ معاشرتی استحکام کا دارومدار اسی پر ہے کہ نوجوان نسل اپنے سے پہلی نسل سے جو کہ اختیار و اقتدار رکھتی ہے، مماثلت پذیر ہو۔ بعض حالات میں نوجوان نسل پُرانی نسل سے بغاوت بھی کرتی ہے، لیکن بالآخر اسے اس صدیوں پُرانے رویے کو اپنانا پڑتا ہے۔

یہاں یہ ذکر بے جا نہ ہوگا کہ مماثلت کاری کی ایک قدیم ترین شکل یہ ہے کہ اس چیز کو کھا لیا جائے جس کی طرح بننے کی خواہش ہو۔ پُرانے زمانے کے شکاری شیر کا شکار کرتے تھے پھر اس کا دل کھا لیتے تھے۔ اس سے وہ سمجھتے تھے کہ وہ بھی شیر کی طرح طاقت وَر اور بہادر بن جائیں گے۔ قدیم قبائل میں دُشمن کا کلیجہ چبانے کا رواج عام تھا۔ علاوہ ازیں افریقا کے ایسے قبائل کا ذکر تواریخ میں ملتا ہے جو اپنے اعزہ و اقربا کی لاشوں کو دفن نہیں کرتے تھے بلکہ کھا جاتے تھے۔ لاشوں کو جلا دینا یا دفن کر دینا ان کے نزدیک اپنے اعزہ کی توہین کرنا تھا۔ عزت و احترام کی یہی شکل انہیں نظر آتی تھی کہ ان کی لاشوں کو اپنا جزوِ بدن بنا لیا جائے۔

(2) استبدال اور تصعید

اڈ کی توانائی کا ذخیرہ سیال نوعیت رکھتا ہے۔ جبلتیں اس توانائی کی راہنمائی کرتی ہیں اور اسے مقررہ راستے پر بہاتی ہیں۔ جبلتوں کا مقصد حالتِ اطناب کا کاتمہ اور توانائی کی لہرک ونکاسی کا راستہ فراہم کرنا ہے۔ توانائی کے اخراج سے لذت اور آرمیدگی کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ جبلت کا کوئی معروض یا ہدف ہوتا ہے۔ ایک معروض یا ہدف کی غیر موجودگی میں توانائی کا ارتکاز آسانی سے کسی دوسرے معروض یا ہدف پر ہو جاتا ہے۔ تاہم معروض بدلنے سے مقصد حصولِ لذت اور اطناب سے چھٹکارا پانا ویسے ہی غیر مبدل

رہے گا۔ اس لحاظ سے کہا جاتا ہے کہ اڈ کی توانائی سیال نوعیت رکھتی ہے کیوں کہ یہ کوئی بھی قالب اختیار کر سکتی ہے اور کسی بھی ہدف پر مرکوز ہو سکتی ہے۔ توانائی کی اس صفت کو استبدال (Displacement) کہا جاتا ہے۔ شخصیت کی نمو میں اڈ کی توانائی استبدالات کے ایک لمبے سلسلے سے گزرتی ہے جو کہ بچپن کے کھلونوں سے علمی، ادبی، سیاسی و معاشی دلچسپیوں تک پھیلا ہوتا ہے۔ اسی دوران یہ کبھی ایک معروض پر مرتکز ہوتی ہے کبھی دوسرے پر۔

استبدال کے اسباب وہی ہیں جو شخصیت کی نموئی تبدیلیوں اور ارتقائی تغیرات کو پیدا کرتے ہیں۔ یعنی بلوغ، خبیت، تصادم، نااہلی اور تشویش۔

استبدال شخصیت کے ارتقائی مرحلوں کے ساتھ ساتھ کیسے وقوع پذیر ہوتا ہے، اسے سمجھنے کے لیے ایک مثال لیجیے۔ بچہ جب شیر خوار ہوتا ہے تو دودھ پینے کے عمل میں اس کا منہ اور ہونٹ بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ ہونٹوں میں نپل سے پیدا ہونے والی انگیخت چوسنے کے عمل کا باعث بنتی ہے۔ مائیں نپل کو بچے کے لبوں پر پھیرتی ہیں تو اس سے تحریک پا کر وہ فوراً چوسنے لگتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہونٹوں میں پیدا ہونے والی انگیخت یا تحریک کا اصل وظیفہ دودھ چوس کر غذا حاصل کرنا ہے، لیکن یہ انگیخت بچے کے لیے فی نفسہٖ لذت آگیں ثابت ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ چوسنا بجائے خود بچے کی ایک ضرورت بن جاتا ہے جسے اگر خوراک کے ادخال (Ingestion) کے مناسب وقفوں سے پورا نہ کیا جائے تو بچہ دوسرے ذرائع تلاش کر لے گا۔ بچہ اپنی ہی انگلیاں چوسنے لگے گا یا جو بھی شے اس کی رسائی میں ہوگی اسے اُٹھا کر منہ میں ڈال لے گا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے بچہ ناخن کترنے یا انگوٹھا چوسنے کی عادت ڈال لے گا۔ اگر والدین اس پر اسے ڈانٹیں اور سزا دیں تو وہ بعض ایسی عادتیں اپنا لے گا جن پر ڈانٹ ڈپٹ اور سزا کا خطرہ نہیں ہوگا، مثلاً ٹافیاں وغیرہ کھانا۔ جب بچہ عنفوانِ شباب کو پہنچے گا تو سماجی اثرات کے تحت اپنی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے بچگانہ عادتیں ترک کر کے بالغوں والی عادتیں اختیار کر لے گا۔ مثلاً سگریٹ نوشی، مے خواری، بوس و کنار، ہونٹوں پر بار بار زبان پھیرنا، سیٹی بجانا، بار بار لپ اسٹک لگانا، چیونگ گم چبانا، تمباکو کھانا، بار بار تھوکنا، وغیرہ۔

یہاں یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ چوسنے اور تغذیہ کی جبلت ہی ان عادات کی واحد محرک نہیں رہتی بلکہ دیگر جبلتوں کی تسکین بھی اس میں شامل ہو جاتی ہے۔ مثلاً بوس و کنار جہاں ہونٹوں کی انگیخت کے لیے سامانِ تسکین فراہم کرتے ہیں وہاں جنسی تسکین کا باعث بھی بنتے ہیں۔ اسی طرح تمباکو نوشی یا مے خواری ایک طرف ہونٹوں کی جبلی ضرورت کو پورا کرتی ہے تو دوسری طرف اعصابی کشیدگی کو بھی کم کرتی ہے۔ درحقیقت بالغ افراد کی جبلی تسکین کی یہ ایک خصوصیت ہے کہ اس میں متعدد جبلتیں ایک ہی فعل سے متمتع ہونے لگتی ہیں۔ اسے اصطلاح میں امتزاج یا ادغام جبلات (Fusion of Instincts) کہا جاتا ہے۔ فرائڈ اسے تکثیف (Condensation) کا نام بھی دیتا ہے کیوں کہ اس میں مختلف النوع اور بظاہر غیر مربوط جبلتیں ایک ہی عمل میں اپنا اظہار کرتی ہیں۔ ایسے مشغلے اور ایسی دلچسپیاں جبلی توانائی کے متعدد اور مختلف دھاروں کو ایک ہی عمل میں متحد اور مکثف کر دیتی ہیں۔ ایسے مشاغل (Hobbies) اور دلچسپیاں دیرپا ثابت ہوتی ہیں۔ مثلاً باغبانی کا مشغلہ۔ لیکن ان مشاغل میں دلچسپی دیر تک قائم نہیں رہتی اور انسان ان سے جلدی اُکتا جاتا ہے جن میں جبلی توانائی صرف ایک دھارے سے بہتی آ رہی ہو۔

یہاں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ استبدال عموماً خارجی حالات اور معاشرتی دباؤ کے تحت وقوع پذیر ہوتا ہے۔ بچہ اگر ناخن کاٹے یا انگوٹھا چوسے تو ماں باپ ناراض ہوتے ہیں۔ لیکن اگر وہ ٹافیاں یا آئس کریم کھانا شروع کر دے تو اسے نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ لیکن اگر بالغ افراد ٹافیاں یا چوسنیاں منہ میں لیے پھریں تو وہ نشانۂ تضحیک بنتے ہیں۔ اس لیے خود معاشرہ بعض ایسی عادتوں کی گنجائش پیدا کرتا ہے جو بالغوں کے انتخاب معروض (Object-Choice) کے لیے مناسب ہوں۔ مثلاً سگریٹ، پائپ، پان یا شراب!(4)

استبدال کا ایک دوسرا اہم پہلو یہ ہے اگر ایک ذریعۂ اظہار کو ممنوع قرار دیا جائے تو کوئی دوسرا ذریعۂ اظہار اپنا لیا جاتا ہے۔ ایک عادت دوسری ملتی جلتی عادت سے بدل جاتی ہے۔ لیکن اگر اسے بھی ممنوع قرار دے دیا جائے تو وہ کم تر شدت کی کسی عادت پر منتقل ہو جائے گی۔ اس طرح استبدال کا عمل بالآخر کسی آخری ذریعۂ اظہار پر

رُک جائے گا جو پہلے ذریعۂ اظہار سے کسی قدر مماثلت تو ضرور رکھے گا مگر جبلی تسکین کے حوالے سے کمزرترین ہو گا۔ لیکن ایغو اس سے مفاہمت (Compromise) کر لے گا۔ مثلاً شراب نوشی ترک کرنے والا بالآخر چائے یا کافی کی عادت اپنا لیتا ہے۔ یورپ میں جب تمباکو نوشی کے خلاف بھرپور مہم چلی تو لوگ منہ میں خالی سگریٹ ہولڈر یا خالی پائپ لیے پھرتے تھے۔ اس طرح کے انتخاب معروض میں ایغو، سُپر ایغو اور اڈ کے مابین افہام و تفہیم کا ایک پیچیدہ عمل ہوتا ہے اور بالآخر کسی ایسے ذریعۂ اظہار پر مفاہمت ہو جاتی ہے جو کہ کسی حد تک ابتدائی انتخابِ معروض کے تقاضے پورے کرے لیکن سماجی اور اخلاقی طور پر قابل قبول ہو۔

استبدال کو ہم ایک اور مثال سے بھی واضح کر سکتے ہیں۔ ایک بچہ جس کی تثبیت (Fixation) ابتدائی طور پر ماں کی شخصیت پر ہوتی ہے، بڑا ہونے پر محسوس کرتا ہے کہ وہ اپنی ماں کو اپنا نہیں سکتا کیوں کہ ایک تو خود ماں کی محبت کئی افراد میں بٹی ہوتی ہے، دوسرے سماجی و اخلاقی قوانین بھی اس امر میں مانع ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے ارد گرد کوئی اور شخصیت ڈھونڈتا ہے جو کہ اس کی ماں کا بدل ثابت ہو سکے۔ چنانچہ وہ اپنی کسی خالہ، بڑی بہن یا اُستانی کو اپنا انتخابِ معروض بناتا ہے۔ لیکن جلد ہی اسے علم ہو جاتا ہے کہ یہ بھی خارج از امکان ہے۔ پھر وہ فلمی یا افسانوی ہیروئنوں میں اپنی محبوبہ کی تلاش کرتا ہے۔ لیکن یہاں بھی اسے حقیقی کامیابی نہیں ہوتی۔ وہ جس محبوبہ کی تصویر اپنے سینے میں چھپائے در بدر بھٹکتا پھرتا ہے وہ اس کی ماں ہوتی ہے۔ بالآخر جب اسے کسی لڑکی میں اس کی جھلک نظر آتی ہے وہ اسے مستقلاً اپنا لیتا ہے۔ اس طرح اس کی جبلتی توانائی ایک معروض سے دوسرے معروض، ایک ہدف سے دوسرے ہدف پر منتقل ہوتی رہتی ہے۔ اور اس استبدال و انتقال میں متعدد نفسیاتی پیچیدگیاں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔

استبدال کی بند گلیوں اور بھول بھلیوں میں بھٹکتے ہوئے اڈ کی جبلی توانائی اپنے اظہار کا ایک اور راستہ نکالتی ہے۔ اسے ارتفاع، ترفع یا تصعید (Sublimation) کا نام دیا جاتا ہے۔ تصعید کے عمل سے ہی تہذیب و ثقافت کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ جبلی توانائی جب کسی مخصوص شے یا فرد پر مرتکز ہونے کی بجائے تہذیبی، فکری، سماجی یا اصلاحی دھارے میں بہنے لگتی ہے تو اس سے فکر و فن کے شہ پارے تخلیق پاتے ہیں۔ اس میں

شک نہیں کہ تصعیدی کاموں میں اڈ کی جبلی تسکین کا مقصد وہی رہتا ہے جو استبدال کی مختلف صورتوں میں ہوتا ہے، تاہم ذریعۂ اظہار بدل جاتا ہے اور موسیقی، شاعری، ادب، اور مصوری وغیرہ میں اس کا اظہار ہونے لگتا ہے۔ فرائڈ کہتا ہے کہ ڈاونچی (Da vinci) کی شاہکار میڈوناس (Madonnas) کے پس پردہ ماں کے پیار کی شدید طلب تھی کیوں کہ وہ بچپن میں ہی اپنی ماں کی محبت سے محروم ہو گیا تھا۔ اسی طرح وہ شیکسپیئر کی چودہ مصرعوں کی نظموں (Sonnets) والٹ وہٹمین کی شاعری، چیکوفسکی (Tschaikowisky) کی موسیقی اور پروست کے عظیم ناول کے پس پردہ ان کے ہم جنسی اور لاشعوری محرکات کو کارفرما دیکھتا ہے۔ چونکہ یہ فن کار حقیقت کی دُنیا میں جبلی آسودگی سے محروم رہے، اس لیے انہوں نے فن کی دُنیا میں سامانِ تسکین تلاش کرنے کی کوشش کی۔ لیکن یاد رہے کہ فن بلندیاں یا تصعید کا عمل ایک حد تک تسکینِ جبلت کا باعث بنتا ہے۔ جبلت کے اصل تقاضے بڑی حد تک ناآسودہ رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فن کار کی شخصیت اختلال و انتشار کا شکار رہتی ہے کیوں کہ جبلی توانائی کا معتد بہ حصہ تراکم معروض سے محروم رہتا ہے۔ جدید مہذب اور متمدن انسان کی بے چینی اور اعصابی کشیدگی کی وجہ کسی حد تک یہی جبلی تشنگی ہے۔ تصعید سے اگرچہ مکمل جبلی آسودگی نہیں ملتی، تاہم تہذیب و ثقافت کی تعمیر و ترقی میں یہ اہم کردار ادا کرتی ہے۔

فرائڈ کا کہنا ہے کہ جبلی توانائی اپنا ابتدائی مقصد یعنی تراکمِ معروض ترک نہیں کرتی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان ہمیشہ اپنی پہلی محبت کا بدل تلاش کرتا رہتا ہے۔ اگر اسے مکمل آسودگی کا سامان نہ مل سکے تو وہ کوئی نعم البدل یا بہتر متبادل تلاش کر لیتا ہے۔ جب اسے یہ نعم البدل مل جائے تو یہ عمل ابتدائی ہدف کی تلافی (Compensation) کہلائے گا۔ چھوٹے قد کا آدمی جو لمبے قد کا آرزومند ہے بڑے بڑے کام کرنے کی کوشش کرے گا۔ ایسا شخص جو محبت کا طلب گار ہے، اپنی محرومی کی تلافی کے لیے مے نوشی یا بسیار خوری کا عادی بن جائے گا۔ ایک کنواری لڑکی جس کی شادی کے امکانات ختم ہو چکے ہوں، معلّمہ بننے کی کوشش کرے گی۔ سیرت و کردار کی تعمیر میں تلافی کے متعدد رویے شامل ہو جاتے ہیں۔ بلوغت کے اکثر مشاغل، دلچسپیاں اور وابستگیاں بچپن کی غائب خواہشات کی بازگشت ہوتی ہیں۔

متلافیانہ مشاغل اگرچہ صبیاتی جنسیت کی کسی حد تک تسکین کا باعث بنتے ہیں، لیکن ان کی قدر و قیمت سماجی اور تہذیبی اعتبار سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ کوئی سرجن آپریشن کر کے اپنی صبیاتی جارحیت کا سامان تسکین فراہم کرتا ہے۔ ایک ماہر نفسیات جنسی مطالعہ سے آسودگی پاتا ہے۔ لیکن اس کے ان مشاغل کی قدر و قیمت انفرادی تسکین و تشفی کی سطح سے بہت بلند ہوتی ہے اور اس سے تہذیب و ثقافت کا ارتقائی عمل تیز تر ہو جاتا ہے۔

گزشتہ صفحات میں یہ بات متعدد دفعہ کہی جا چکی ہے کہ جنسی توانائی سیال نوعیت رکھتی ہے اور فرائڈ جنسیت کی اصطلاح کو وسیع ترین مفہوم میں استعمال کرتا ہے۔ اڈ کی توانائی اپنی سیال نوعیت کی وجہ سے ہی ایغو اور سُپر ایغو کے نظام وضع کرتی ہے اور تراکمات اور مزاحمتی تراکمات بناتی ہے۔ شخصیت کی نمو میں اس کا سیال ہونا ہی استبدال اور تصعید کو ممکن بناتا ہے اور انسان مختلف اہداف و مشاغل کو اپناتا رہتا ہے۔ جس طرح برقی توانائی سے متعدد کام لیے جا سکتے ہیں، اسی طرح توانائی بھی مختلف النوع وظائف ادا کر سکتی ہے۔ برقی توانائی سے ہم انجن چلا سکتے ہیں، ریفریجریٹر میں چیزیں ٹھنڈی رکھ سکتے ہیں، قمقمے روشن کر سکتے ہیں، چولھے پر کھانا پکا سکتے ہیں، کپڑے استری کر سکتے ہیں۔ اسی طرح جنسی توانائی کے ترفع یا تصعید سے کتابیں لکھ سکتے ہیں، علمی تحقیق کر سکتے ہیں، باغبانی کا پیشہ اپنا سکتے ہیں، خطاطی اور مصوری کے فن پارے پیش کر سکتے ہیں یا موسیقی اور گلوکاری کا جادو جگا سکتے ہیں۔

(3) دفاعی میکانیت

شخصیت کی تعمیر و ترقی کے دوران میں ایغو پر یہ اہم فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ انسان کو ممکنہ خطرات سے بروقت متنبہ کرے اور اس کے دل میں اندیشے اور تشویش کے احساسات پیدا کرے۔ خطرات سے نمٹنے کے لیے ایغو دو طرح کے رویے اپنا سکتا ہے۔ اولاً وہ عقل و فکر اور منطقی تجزیہ کی قوتوں کو بروئے کار لا کر نامساعد حالت کو اپنے حق میں ہموار کر سکتا ہے۔ ثانیاً وہ تشویش اور اندیشہ کی شدت کم کرنے کے لیے حقائق کو مسخ کر سکتا ہے یا

انہیں جھٹلا سکتا ہے۔ دوسرا طریق کار "دفاعی میکانیت" (Defence Mechanism) کہلاتا ہے۔ دفاعی میکانیت کی کئی شکلیں ہیں۔ ذیل میں ہم چند اہم شکلوں کا جائزہ لیتے ہیں:

(الف) ابطان

اڈ، ایغو یا سُپر ایغو اپنے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے توانائی کا تراکم کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض تراکم ایسے ہوتے ہیں جو تشویش کا باعث بنتے ہیں۔ چنانچہ شعور کو ان تراکمات کے منفی اثرات سے محفوظ رکھنے کے لیے مزاحمتی تراکمات معرضِ وجود میں آتے ہیں۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں اڈ، ایغو یا سُپر ایغو کے تراکمات کے ردِ عمل جو مزاحمتی تراکمات سے پیدا ہوتے ہیں اور تشویش کو زائل کر دیتے ہیں، ابطان کا عمل پیدا کرتے ہیں۔ اس عمل سے اڈ، ایغو یا سُپر ایغو کا تراکم شعور میں نہیں ابھر سکے گا بلکہ لاشعور میں مبطون (Repressed) ہو جائے گا۔

ابطان کی دو قسمیں ہیں، ابتدائی ابطان اور اصلی ابطان۔ ابتدائی کا سارا عمل لاشعوری سطح پر ہوتا ہے۔ یعنی ابتدائی ابطان میں جبلی رُجحانات کو شعور میں اُبھرنے سے روک دیا جاتا ہے۔ اس طرح بعض جبلی تحریکات لاشعور سے اُٹھتی ہیں اور لاشعور میں ہی مبطون ہو جاتی ہیں اور شعوری اظہار حاصل نہ ہونے کی وجہ سے تشویس کا باعث بھی نہیں بنتیں۔ مثال کے طور پر تزویجِ محرم یا مباشرتِ محرم (Incest) شروع سے ممنوع رہی ہے۔ ماں یا باپ سے مباشرت کو ہر نسل کا معاشرہ انتہائی سختی سے ممنوع قرار دیتا رہا ہے۔ یہ امتناع بتدریج موروثی بن گیا۔ چنانچہ اس امتناع نے پیدائشی اور وہبی (Innate) حیثیت حاصل کر لی۔ یہ امتناع لاشعور سے اُبھرتا ہے اور لاشعور میں ہی مبطون ہو کر رہ جاتا ہے۔ تاہم اس کے اثرات بالواسطہ طور پر فرد کی پسند ناپسند اور جبلت کے انتخاب معروض میں محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ اصلی ابطان (Proper Repression) کا مفہوم پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ اس سے مراد ہر وہ اذیت ناک یا خوف ناک یاد، ادراک یا تصور ہے جسے شعور میں داخل ہونے سے روک دیا جائے اور اس کی راہ اس طرح مسدود کر دی جائے کہ ارادی کوشش کے باوجود اسے حافظہ میں اُبھارنا ممکن نہ ہو۔ آئندہ بحث میں ہم ابطان کو اسی مفہوم میں استعمال کریں گے۔

ابطان کی کی وجہ سے ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی شے بالکل سامنے ہو لیکن کسی کو نظر

نہ آئے۔ یا نظر بھی آئے تو مسخ شدہ شکل میں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ایغو کو اس شے کے ادراک کی وجہ سے یا تلازم کی وجہ سے کسی اذیت ناک یا خوف ناک یاد کے اعادے سے محفوظ رکھا جائے۔ اسی طرح جُرحی تجربات بھی ابطان کے عمل کے تحت لاشعور کی اندھیری تہوں میں دبے رہتے ہیں۔ وہ یادیں بھی جو بنفسہٖ بے ضرر ہوں لیکن جُرحی تجربات سے متلازم ہوں، مبطون ہو جاتی ہیں کیوں کہ ایغو یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا کہ وہ سطح شعور پر اُبھریں اور ساتھ جُرحی تجربات کو بھی لیتی آئیں۔ اس طرح یہ ممکن ہے کہ یادوں کا ایک پورا سلسلہ جو کسی خوفناک حادثے سے متلازم ہو، مبطون ہو جائے، ابطان کا اصل مقصد ایغو کو معروضی، اخلاقی یا عصابی تشویش سے بچانا ہے جو کہ خارجی یا داخلی اسباب کے تحت پیدا ہو۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ابطان کا عمل شخصیت کی نمو کے لیے بہت ضروری ہے۔ یہ اگر نہ ہو تو ہمارے لیے زندہ رہنا عذاب بن جائے اور آگے بڑھنا ناممکن ہو جائے۔ تاہم بعض لوگوں میں یہ اس قدر شدید ہو جاتا ہے کہ ان کی پوری شخصیت اس کے بوجھ تلے دب کر رہ جاتی ہے۔ ان کا خارجی دُنیا سے رابطہ بہت کم ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے تکلیف دہ تجربات کے ابطان پر اتنی توانائی خرچ کر دیتے ہیں کہ دُنیاوی کاموں کے لیے توانائی کی بہت کم مقدار بچتی ہے۔ وہ ہر وقت محتاط رہتے ہیں اور پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہیں کہ کہیں مبطون یادوں اور تجزیوں کے آگے باندھا ہوا بند نہ ٹوٹ جائے۔

بعض اوقات ابطان جسم کے عضویاتی وظائف پر اثر انداز ہوتا ہے اور ہسٹیریائی بیماریوں کا باعث بنتا ہے۔ مثلاً ہسٹیریائی اندھاپن یا ہسٹیریائی فالج۔ ہسٹیریائی اندھے پن میں مریض کی آنکھیں بالکل درست حالت میں ہوتی ہیں تاہم وہ دیکھنے سے قاصر ہوتا ہے کیوں کہ لاشعوری مزاحمت اسے ایسا کرنے سے باز رکھتی ہے۔ اسی طرح مزاحمتی تراکمات کسی خاص عضو کو مفلوج کر سکتے ہیں۔ مثلاً ابطان بازو یا ٹانگ کا فالج پیدا کر سکتا ہے۔ بعض افراد لاشعوری مزاحمت کی وجہ سے نامردی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مبطون جارحیت گٹھیا (Arthrites) کا سبب بن سکتی ہے کیوں کہ جارحیت عضلات میں تشنج پیدا کرتی ہے جس کے امتناع سے نظام استخوان متاثر ہوتا ہے۔ کوئی شخص اگر کسی نادیدہ اندیشے اور تشویش کا شکار ہو تو وہ جلدی جلدی چھوٹے چھوٹے سانس لے گا۔ گہرا سانس

نہ لینے کی وجہ سے پھیپھڑوں کو مناسب مقدار میں آکسیجن فراہم نہیں ہوگی۔ اگر یہ کیفیت برقرار رہے تو اس سے دمہ کا مرض لاحق ہوسکتا ہے۔ خوف کا مسلسل احساس نظامِ ہضم پر اثرانداز ہوکر السر (Ulcer) کا مرض پیدا کرسکتا ہے۔ اس طرح متعدد نفسی جسمانی (Psychosomatic) امراض کے پیچھے ابطان کی قوتیں کارفرما ہوتی ہیں۔

یہاں یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ اگرچہ ابطان کا عمل ایغو کی حدود میں وقوع پذیر ہوتا ہے، تاہم بہت سے امتناعات سُپر ایغو کی طرف سے عائد ہوتے ہیں جنہیں ایغو اپنا لیتا ہے۔ والدین، اساتذہ اور دیگر صاحبِ اختیار کرتے ہیں اور ایغو کے توسط سے ابطان کا عمل پیدا کرتے ہیں۔

مبطون تراکمات کی لاشعور میں کیا حیثیت ہوتی ہے؟ مبطون تراکمات لاشعور میں کئی حیثیتوں سے موجود ہوسکتے ہیں۔ یہ بغیر کسی تغیر و تبدل کے جیسے ہیں ویسے ہی رہ سکتے ہیں۔ یہ مزاحمتوں کو توڑ کر اپنی راہ بنا سکتے ہیں۔ یہ استبدال کا عمل اختیار کرسکتے ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مزاحمت کا خاتمہ ہو جائے۔ مثال کے طور پر عنفوانِ شباب میں جنسی تحریک اس قدر شدید ہوسکتی ہے کہ بچپن کے قائم کردہ مزاحمتی تراکمات کا خاتمہ کرڈالے۔ اشتعال کی شدید لہر جارحیت کے آگے باندھے ہوئے بند کو توڑ سکتی ہے۔ جب مزاحمت کا بند ٹوٹتا ہے تو بالعموم توانائی کے تند و تیز ریلے کا اخراج ہوتا ہے۔ اس کا کچھ اندازہ ان بچوں کے جوش و خروش کو دیکھ کر لگایا جا سکتا ہے جنہیں متعدد کلاسیں پڑھنے کے بعد چھٹی ملے۔

استبدال میں مبطون تراکمات کسی حد تک تسکین پذیر ہو جاتے ہیں۔ تاہم اس میں یہ ضروری ہوتا ہے کہ مبطون تراکم کی اصل صورت پوشیدہ رہے ورنہ ایغو خبردار ہو جاتا ہے اور ابطان کا عمل ایک بار پھر نافذ کر دیتا ہے۔ استبدال میں مبطون تراکمات کئی قسم کے بھیس بدل کر ظاہر ہوتے ہیں۔ وہ بچہ جس نے باپ کے خلاف اپنی نفرت کے آگے بند باندھے ہوں گے، بڑا ہوکر نافرمانی اور بغاوت کا رویہ اپنائے گا اور قانون شکنی میں راحت و تسکین حاصل کرے گا۔ مبطون تراکمات کا بڑا میدانِ اظہار خوابوں کی دُنیا ہے جہاں وہ بھیس بدل کر جزوی تکمیل حاصل کرتے ہیں۔ خود تعزیری کا تراکم چھوٹے چھوٹے حادثوں اور غلطیوں کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انسان جس شے کا

شعوری طور پر انکار کر رہا ہو، لاشعوری طور پر اس کا شدید آرزومند ہو۔

ابطان کا خاتمہ بھی ممکن ہے۔ اس کے لیے انسان کو اپنے طور پر ایقان حاصل کرنا پڑتا ہے کہ خوف کا منبع و مصدر اب معدوم ہو چکا ہے۔ یہ ایک مشکل کام ہے کیونکہ اس کے لیے انتہا درجے کے حقیقت پسندانہ منطقی تجزیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ تاہم انسان عمر گزرنے کے ساتھ ساتھ از خود ایسے تجزیے کرتا رہتا ہے اور بعض اندیشوں سے جان چھڑا لیتا ہے۔ پھر بھی بچپن کے خوف اس کی شخصیت پر ہلکا سا تاثر چھوڑ جاتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ابطان کئی نفسی عوارض کا باعث بنتا ہے، تاہم اس امر سے انکار بھی ممکن نہیں کہ ابطان شخصیت کے نشو و ارتقا میں بہت مدد و معاونت ثابت ہوتا ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر ابطان کا عمل نہ ہو تو شخصیت نمو پذیر نہیں ہو سکتی۔ بچپن میں جب ایغو بہت کمزور اور تشکیل کے ابتدائی مرحلے میں ہوتا ہے، ابطان ہی اسے اڈ کی سرکش قوتوں کی یلغار سے محفوظ رکھتا ہے اور اذیت ناک تجربات کو فراموشی کے اندھیرے غار میں دھکیل کر ایغو کو پنپنے اور پھلنے پھولنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ ابطان کے ذریعہ ایغو کو ملنے والی توانائی محفوظ رہتی ہے اور ایغو بہتر انداز میں پروان چڑھتا ہے۔ بلوغ کو پہنچ کر بہت سے ابطان منطقی تفکر سے از خود ختم ہو جاتے ہیں۔

(ب) اظلال

عصابی یا اخلاقی تشویش کے خلاف مدافعت کا ایک طریقہ یہ ہے کہ فرد اپنے اندر چھپی ہوئی نفرت یا دُشمنی کو کسی دوسرے کی طرف منسوب کر دے۔ مثلاً بجائے یہ کہنے کے، ''میں فلاں سے نفرت کرتا ہوں،'' یہ کہے، ''فلاں مجھ سے نفرت کرتا ہے۔'' اس صورت میں فرد اپنے ایغو پر سُپر ایغو یا اڈ کے دباؤ کی وجہ سے تشویش کا شکار ہو جاتا ہے۔ لیکن وہ اس تشویش کے اسباب و علل کو داخلی تسلیم نہیں کرتا بلکہ انہیں خارجی دُنیا کی طرف منسوب کر دیتا ہے۔ ایغو کے اس دفاعی طریقہ کار کو اصطلاح میں اظلال (Projection) کہتے ہیں۔

اظلال کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تشویش کا موضوع جو کہ فرد خود ہوتا ہے بیرونی دُنیا کا کوئی شخص بن جاتا ہے اور فرد خود اس تشویش کا معروض بن جاتا ہے۔

''میں تم سے نفرت کرتا ہوں،'' موضوعی نفرت کا اظہار ہے لیکن اظلال میں یہ ''تم مجھ سے نفرت کرتے ہو،'' میں بدل جائے گا۔ اس طرح فرد موضووع کے بجائے معروض میں بدل جائے گا۔ چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اظلال اخلاقی یا عصبانی تشویش کو (جو کہ موضوعی تشویش ہے) معروضی تشویش میں بدل دیتا ہے۔ کوئی شخص خود اپنے ضمیر کی ملامت یا اڈ کی جنسی جارحیت سے خائف و مشوش ہو گا لیکن اسے دوسرے لوگوں کی طرف منسوب کر کے کہے گا کہ مجھے ان کی ملامت یا جارحیت کا خطرہ ہے۔

موضوع معروض کی اس کایا پلٹ کا اصل محرک یہ ہوتا ہے کہ ایغو بیرونی خطرات کا مقابلہ تو کر سکتا ہے لیکن اندرونی داخلی خطرے سے نمٹنا اس کے لیے نہایت مشکل ہوتا ہے اور بعض حالات میں تو بالکل ناممکن ہوتا ہے۔ اس لیے اظلال ایغو کی ایسی دفاعی میکانیت ہے جس میں داخلی تشویش کو خارجی تشویش میں بدل کر وہ یہ سمجھتا ہے کہ اب اس سے بطریق احسن نمٹا جا سکتا ہے۔

اظلال کا وظیفہ صرف تشویش میں کمی پیدا کرنا ہی نہیں بلکہ اس سے کسی فرد کو اپنے حقیقی جذبات کے اظہار کا جواز بھی فراہم ہو جاتا ہے۔ جو فرد اپنی داخلی جارحیت یا نفرت کے ہاتھوں پریشان ہو وہ اسے کسی دوسرے شخص کی طرف منسوب کر دیتا ہے اور یہ سوچتا ہے کہ فلاں شخص مجھ سے نفرت کرتا ہے اور میرے خون کا پیاسا ہے۔ اس طرح اس کے پاس اس پر حملہ آور ہونے کا ایک معقول جواز آ جاتا ہے اور وہ بغیر ضمیر کی خلش محسوس کیے اپنی جارحیت کا اظہار کر سکتا ہے۔ اظلال ایک قسم کی پہلوتہی یا گریز (Subterfuge) ہے جس میں ایغو ازخود اپنی داخلی نفرت، عداوت یا ملامت سے پہلو بچا کر اسے دوسروں کی طرف منسوب کر دیتا ہے۔ اسے ہم تعقیل (Rationalization) کا ایسا تانا بانا قرار دے سکتے ہیں جس میں فرد اپنی داخلی نفرت یا جارحیت کی ذمہ داری قبول نہیں کرتا اور اس سے بچنے کا عقلی جواز تلاش کرتا ہے۔ نفرت اور جارحیت کے جذبات سے بھرے ہوئے انسان کو دوسروں کی آنکھوں میں نفرت اور جارحیت نظر آئے گی اور وہ کہے گا کہ یہ میرے دشمن ہو رہے ہیں۔ اس طرح اسے ان پر حملہ آور ہونے کا ایک معقول جواز مل جائے گا۔ ایک مال دار شخص جو خیرات میں بے تحاشا روپیہ لٹاتا ہے، یہ کہہ کر اپنے آپ کو تسلی دے لیتا ہے کہ وہ بہت نیک کام کر رہا ہے۔ جبکہ دراصل وہ رشوت خوری سے حاصل

کی ہوئی دولت پر داخلی طور اپنے ضمیر کی ملامت کے ہاتھوں پریشان ہو رہا ہوتا ہے۔
یہاں یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ اظلال کا عمل لاشعوری سطح پر ہوتا ہے۔ اگر ایغو کو اپنے اظلالی دفاعی کی نوعیت کا علم ہو جائے تو پھر تشویش میں کمی واقع نہیں ہو گی اور اس دفاع کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔

سُپر ایغو کے امتناعات اور تعزیرات کا اظلال نہایت آسانی سے عمل میں آ جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سُپر ایغو بذاتِ خود بیرونی دُنیا سے تعلق رکھتا ہے۔ یعنی بیرونی اوامر و نواہی اور امتناعات ہی سے سُپر ایغو تشکیل پاتا ہے۔ سُپر ایغو کی تشکیل سے قبل ماں باپ سزائیں دیتے ہیں یا سرزنش کرتے ہیں۔ اس لیے جو عمل پہلے خارجی تھا اب بہت جلد اور بہ آسانی دوبارہ خارجی بن جاتا ہے۔ جس شخص کا سُپر ایغو اس کے نظام شخصی سے مطابقت اور مناسبت نہ رکھتا ہو وہ فوراً اپنے ملامتی جذبات کو دوسروں کی طرف منسوب کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اظلال کی میکانیت بہت عام ہے۔ لوگ اپنے داخلی تجزیہ کی طرف توجہ نہیں دیتے اور اپنے طرزِ عمل کی علت خارج میں ڈھونڈتے ہیں۔ مزید برآں اپنی ذمہ داری دوسروں کے سر ڈالنا نسبتاً آسان ہے۔

اظلال کی ایک صورت ایسی بھی ہے جس میں فرد کو اپنے محرکات کا پورا علم ہوتا ہے اور وہ لاشعوری طور اپنے رویے کو دوسروں کی طرف منسوب کرتا ہے۔ ایک رشوت خور کو پورا معاشرہ رشوت خور نظر آئے گا۔ امتحان میں نقل کرنے والا یہ کہے گا کہ سب ہی نقل کرتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنے بُرے محرک کو لاشعوری طور پر دوسروں کی طرف منسوب کر کے اس کا عقلی جواز فراہم کرے گا۔

(د) تشکیلِ ردِ عمل

جبلتوں اور ان کے زیر اثر اپیدا ہونے والے رویوں کو ہم اضداد کے جوڑوں کی صورت میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ مثلاً حیات و موت، محبت و نفرت، فعالیت اور انفعالیت، تعمیر و تخریب، تحکم اور محکومی وغیرہ۔ بعض اوقات کوئی جبلت ایغو پر یا براہِ راست دباؤ ڈالتی ہے یا سُپر ایغو کے توسط سے اس پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اس طرح تشویش پیدا ہوتی ہے۔ اس تشویش سے بچنے کے لیے ایغو تشویش پیدا کرنے والی جبلت سے پہلو بچا کے

اس کی ضد کو اُبھارتا ہے۔ مثال کے طور پر کسی کے خلاف نفرت کے جذبات اس کے اندر تشویش پیدا کریں تو اس کا ایغو نفرت کے جذبہ نفرت کے جذبہ کو چھپانے کے لیے محبت کے جذبہ کو اُبھار دے گا۔ یہاں یہ کہنا درست ہوگا کہ محبت کا جذبہ کے متبادل کے طور پر اُبھرا ہے۔ دراصل نفرت کے جذبہ نے مستور و مخفی رہنے کے لیے جذبۂ محبت کی نقاب اوڑھ لی ہے۔ ایسی میکانیت جو ایک جبلت کو شعور میں اُبھرنے سے بچانے کے لیے کسی متضاد جبلت کا نقاب پہن لیتی ہے، اصطلاح میں ''تشکیل ردِعمل'' (Reaction Formation) کہلاتی ہے۔

ردِعمل کے طور پر اُبھرنے والا جذبہ اصل جذبہ سے مختلف ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ردِعمل کے طور پر پیدا ہونے والی محبت میں مصنوعی شدت ہوگی۔ اصل جذبہ محبت میں نرمی اور لچک ہوگی۔ لیکن ردِعمل کے طور پر پیدا ہونے والی محبت میں اتنی شدت اور سختی ہوگی کہ اس کا کھوکھلا پن فوراً محسوس ہو جائے گا۔ جس طرح کوئی اداکار جب اوور ایکٹنگ (Overacting) کرتا ہے تو دیکھنے والے اس کی اداکاری کے مصنوعی پن کو فوراً بھانپ لیتے ہیں، اسی طرح ردِعمل کے طور پر پیدا ہونے والی محبت میں غیر فطری شدت اور اضطرار ہوتا ہے۔ ایغو کو خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں اس مصنوعی جذبہ کے پیچھے چھپا ہوا متضاد جذبہ اپنا اظہار نہ کر دے۔

کسی قسم کا خوف یا ترس ناکی (Phobia) بھی دراصل ردِعمل کی تشکیل ہے۔ انسان اس شے کا طلب گار ہوتا ہے جس سے وہ خائف ہوتا ہے۔ دراصل اسے کسی شے سے نہیں بلکہ اس شے کی خواہش سے خوف محسوس ہوتا ہے۔ ردِعمل کے طور پر پیدا ہونے والا خوف کسی خواہش کی تکمیل کی راہ میں حائل ہو جاتا ہے۔ تشکیل ردِعمل سُپر ایغو کی وجہ سے بھی ہو سکتی ہے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ سُپر ایغو بذاتِ خود تشکیل ردِعمل کا ایک نظام ہے جس میں کئی قسم کے ردِعمل اس لیے متشکل ہوتے ہیں کہ ایغو کو اڈ کی وحشیانہ جبلتوں کی یلغار اور خارجی دُنیا کے خطرات کی یورش سے محفوظ رکھا جا سکے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض حقیقی اقدار معاشرتی زندگی کی روحِ رواں ہوتی ہیں اور انہیں اپنانا ضروری ہوتا ہے۔ تاہم بہت سے اخلاقی اور سماجی رویے محض تشکیل ردِعمل ہوتے ہیں، مثلاً بعض حالات میں عفت و پاکیزگی جنسی خواہشات کا ردِعمل ثابت ہوتی ہے، ایثار و

قربانی کے پیچھے خودغرضی پنہاں ہوتی ہے اور احساسِ گناہ نے تقدس کی نقاب اوڑھی ہوتی ہے۔

ردِعمل داخلی تشویش کے خلاف بھی تشکیل پا سکتا ہے اور خارجی خطرات کے خلاف بھی۔ ایک شخص جو کسی دوسرے شخص سے خائف ہو، اپنا رویہ دوستانہ اور مفاہمانہ بنا سکتا ہے۔ اسی طرح سماجی خوف کا ردِعمل شدید قسم کی امن پسندی اور قانون دوستی کی صورت میں ظاہر ہوسکتا ہے۔

تشکیل ردِعمل کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ اس میں کٹر پن، تشدد اور مبالغہ آرائی پائی جاتی ہے۔ جس رویہ یا طرزِ عمل میں غیر معمولی سختی اور مبالغہ کی آمیزش ہو، اسے ہم بلاخوفِ تردید تشکیلِ ردِعمل کا نام دے سکتے ہیں۔

تشکیلِ ردِعمل کی ایک دلچسپ مثال ہمیں ان مردوں میں ملتی ہے جو اپنے نسوانی مزاج کو چھپانے کے لیے مردانہ انداز و اطوار پر اتنا زور دیتے ہیں کہ ان کی ہیئت کذائی مضحکہ خیز بن جاتی ہے۔ ہر فرد میں مردانگی اور نسائیت دونوں عناصر موجود ہوتے ہیں۔ لیکن بعض عورتیں اپنی مردانگی چھپانے اور بعض مرد اپنی نسائیت چھپانے کے لیے عجیب وغریب حرکتیں کرتے ہیں، جن سے صاف پتا چلتا ہے کہ ان کا رویہ تشکیلِ ردِعمل ہے۔

بعض حالات میں تشکیل ردِعمل اصل خواہش کی تکمیل کا باعث بن جاتا ہے۔ مثلاً ایک ماں جو اپنے بچوں سے نفرت کرتی ہو، ان کی سلامتی اور خوشحالی کے بارے میں ضرورت سے زیادہ فکرمند ہوگی۔ بات بات پر ٹوکنا اور ان کی زندگی میں جا بے جا دخل اندازی درحقیقت ان کے لیے عذاب بن جائے گی۔ اس طرح اصل خواہش کی تکمیل ہو جائے گی۔ تشکیل ردِعمل کو ہم تشویش اور خطرات سے نبٹنے کا غیر معقول تسویہ کہہ سکتے ہیں۔ اس سے نہ صرف بیرونی حقائق کی شکل مسخ ہوتی ہے، بلکہ فرد کی اپنی زندگی پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں اور وہ غیر جانب دار، متعصب اور انتہا پسندانہ شخصیت کا حامل بن جاتا ہے۔

(ہ) تثبیت

شخصیت کے ارتقا اور نشوونما میں پہلے دو عشرے بہت اہم ہوتے ہیں۔ اس دوران عضویاتی اور جسمانی تبدیلیوں کے ساتھ نفسیاتی تغیرات کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے اور انسانی شخصیت نشوو ارتقا کے تدریجی مراحل طے کرتی رہتی ہے۔ ان تدریجی مراحل کو ہم چار حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ طفولیت، بچپن، لڑکپن اور شباب۔ بالعموم لوگ ان چاروں مراحل میں سے بتدریج اور بہ خیر وخوبی گزر جاتے ہیں۔ لیکن بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی شخص کسی ایک مرحلہ پر ہی ٹھہر جاتا ہے اور اس کی شخصیت کی نمو رک جاتی ہے۔ وہ بعض وجوہ کی بنا پر راہ ارتقا پر اگلا قدم نہیں اُٹھا سکتا۔ اگر یہ عمل عضویاتی یا جسمانی سطح پر ہو تو کہتے ہیں فلاں شخص کا وجود بے نمو یا ٹھنٹھ (Stunted) ہو گیا ہے۔

تثبیت بھی تشویش اور خطرے سے بچاؤ کی ایک میکانیت ہے۔ تثبیت کا شکار ہونے والا شخص اگلا قدم اس لیے نہیں اُٹھا پاتا کہ اس کے پیش نظر متعدد خطرے اور اندیشے ہوتے ہیں۔ اکثر بچے جب پہلے دن اسکول جاتے ہیں تو ان کے دل میں طرح طرح کے اندیشے اور وسوسے ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب کوئی لڑکا ہائی اسکول سے فارغ ہو کر کالج جانے لگتا ہے تو وہ بھی قدرے بے چینی محسوس کرتا ہے۔ اسے نئی صورتِ حال اور اس سے عہدہ برآ ہونے کے حوالے سے کئی قسم کے اندیشے ہوتے ہیں۔ وہ سوچتا ہے کہیں وہ خود کو نئے ماحول میں ڈھالنے میں ناکام نہ ہو جائے۔ دراصل اس طرح اندیشے ہر اس شخص کو محسوس ہوتے ہیں جو پُرانے ماحول سے نکل کر کسی نئی صورت حال میں داخل ہو رہا ہو۔ پرانے ماحول سے نکل کر نئی زندگی میں داخل ہوتے ہوئے جو تشویش محسوس ہوتی ہے اسے تشویشِ فراق (Separatin Anxiety) کہا جاتا ہے۔ تشویشِ فراق کا تھوڑا بہت تجربہ ہر انسان کرتا ہے۔ لیکن جب اس کی شدت بڑھ جائے اور انسان ایک ہی طرزِ زندگی سے وابستہ و پیوستہ ہو کر رہ جائے تو اسے تثبیت (Fixation) کہا جائے گا۔

تثبیت کا مریض کس شے سے خائف ہوتا ہے؟ اس کی نفسیاتی نمو میں کون سے رُکاوٹیں حال ہوتی ہیں؟ اس ضمن میں وہ جن چیزوں سے خائف ہوتا ہے ان میں عدم تحفظ، ناکامی اور سزا نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ عدم تحفظ کا خوف انسان کے اس احساس

سے اُبھرتا ہے کہ وہ حالات کے بدلے ہوئے تقاضوں کو پورا کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ نئی صورت حال اس کی استعداد سے کہیں زیادہ کٹھن ہوگی۔ ناکامی کا خوف بھی دراصل عدم تحفظ جیسا ہی ہے۔ صرف اس کا ایک اضافی پہلو یہ ہے کہ ناکامی کی صورت میں تضحیک یا سزا کا خوف بھی شامل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سزا کا خوف ہے جو کہ سب سے اہم ہے۔ بچے کے لیے اپنے شناسا گھریلو ماحول سے باہر معروض تراکمات کی تلاش بڑا صبر آزما مرحلہ ہوتا ہے۔ اپنی تسکین کا سامان نئے حالات میں تلاش کرتے وقت اسے یہ یقین نہیں ہوتا کہ آیا وہ کامیاب بھی ہو سکے گا یا نہیں۔ ثانیاً اسے اپنے ماں باپ کی ناراضی کا خطرہ بھی ہوتا ہے۔ جو ماں باپ بچے کی اس تبدیلی کو محسوس نہیں کرتے وہ بچے کی اس فطری کوشش کو بہت بُرا سمجھتے ہیں۔ چنانچہ بچہ اس غیر یقینی صورتِ حال اور ماں باپ کی زجر توبیخ سے بچنے کے لیے پُرانے طرزِ زندگی سے چمٹے رہنے میں ہی عافیت سمجھتا ہے۔ ایسی صورت میں جو بچہ آغوشِ مادر میں سمٹا رہنا چاہتا ہے اس کا محرک محبت نہیں بلکہ خوف ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض بچے اپنی نمو کے کسی مخصوص مرحلے پر اٹک جاتے ہیں۔

یہ ضروری نہیں کہ کوئی شخص اپنی نمو کے دوران صرف اشیا پر ہی تثبیت کا شکار ہو۔ بعض اوقات لوگ اپنی شخصیت کے ہی کسی ساختی یا حرکی اُصول پر مثبت ہو جاتے ہیں۔ مثلاً کوئی شخص محض تخیلِ خواہش کی سطح پر ہی رُکا رہ سکتا ہے۔ کوئی دوسرا شخص موضوعی خیالی دُنیا اور معروضی حقیقی دُنیا کے درمیان فرق و امتیاز کرنے کی اہلیت ہی پیدا نہ کر سکتا ہو۔ بعض لوگوں کا ذہنی ارتقا بچپن کی سطح پر ہی ٹھہر جاتا ہے۔ الغرض تثبیت کی کئی صورتیں، کئی سطحیں اور کئی درجے ہیں جن کی وجہ سے شخصیت کی مسلسل، صحت مند اور متوازن نمو رُک جاتی ہے۔

(و) رجعت

بعض اوقات کوئی شخص نمو کی ایک سطح پر پہنچ کر کسی قسم کے خوف اور تشویش میں مبتلا ہو جاتا ہے اور واپسی کا سفر شروع کر دیتا ہے۔ اسے رجعت (Regression) کہا جاتا ہے۔ ایک نو بیاہتا دُلہن اپنے خاوند سے جھگڑے کے بعد شدید احساسِ عدم تحفظ کا

شکار ہو جاتی ہے اور اپنے میکے آ جاتی ہے۔ یہاں اسے ماں باپ کے زیر سایہ اسی تحفظ کا احساس ہوتا ہے جو کہ اسے بچپن سے حاصل رہا ہے۔ ایک شخص در در کی ٹھوکریں کھانے کے بعد اپنے آپ کو اپنی ذات کے خول میں بند کر لیتا ہے اور خوابوں کی دُنیا میں مگن ہو جاتا ہے۔ اخلاقی تشویش کسی کے ہاتھوں کوئی ایسا اضطراری کام کرواتی ہے جس کی اسے سزا ملتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے بچپن میں اس کی پٹائی ہوتی تھی۔ حقیقت پسندانہ اور منطقی طرزِ فکر سے فرار رجعت کا باعث بنتا ہے۔

یہ ضروری نہیں کہ ذہنی طور پر بیمار آدمی ہی رجعت کا شکار ہو۔ بعض اوقات ذہنی طور پر صحت مند اور نارمل آدمی بھی رجعت کا راستہ اختیار کرتے ہیں تاکہ اپنی تشویش میں کمی کر سکیں۔ تمباکو نوشی، شراب نوشی، بسیار خوری، ناخن کاٹنا، بات بات پر آپے سے باہر ہو جانا، تخریب کاری، قانون شکنی، فحش گوئی، مشت زنی، سینما بینی، قمار بازی، بچوں جیسے بھڑکیلے کپڑے پہننا وغیرہ ایسے اعمال ہیں جن سے کسی شخص کی حرکت رجعی کا پتا چلتا ہے۔ ایسے اعمال بے شمار ہیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ کوئی کام جبلی اضطرار کے تحت ہو اور بچپن کے کسی رویے کا غماز ہو، رجعت کہلائے گا۔ ان میں سے اکثر اتنے عام ہیں کہ یہ بلوغ اور نوجوانی کی علامت بن گئے ہیں۔

(ز) دفاعی میکانیت کی عمومی خصوصیات

دفاعی میکانیت کی تمام صورتیں غیر معقول ہیں کیوں کہ ان میں یا تو حقیقت کو مسخ کر دیا جاتا ہے یا چھپایا یا جھٹلایا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو تشویش سے نمٹنے کے ایغو کا یہ طریق کار شخصیت کے نموئی عمل میں رُکاوٹیں پیدا کرتا ہے۔ دفاعی میکانیت کی وجہ سے نفسی توانائی ایک ہی جگہ مقید اور محدود ہو کر رہ جاتی ہے جبکہ ایغو اسے مفید اور کارآمد مقاصد کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔ جب کوئی دفاعی صورت بہت طاقتور ہو جاتی ہے تو اس سے ایغو کی فعالیت بہت متاثر ہوتی ہے اور پابند ہو کر رہ جاتا ہے۔ دفاعی میکانیت کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ اگر کوئی دفاعی طریق کار کسی وجہ سے ناکام اور غیر موثر ہو جائے تو ایغو پر تشویش اور احساس خطر پوری طرح غالب آ جاتا ہے اور اس نتیجہ میں ذہنی اختلال یا نروس بریک ڈاؤن پیدا ہو جاتا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دفاعی میکانیت اگر اتنی نقصان دہ ہے تو یہ قائم کیوں کر رہتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بچپن میں جب کہ ایغو تشکیل پذیر ہو رہا ہوتا ہے تو اس قدر ناتواں اور کمزور ہوتا ہے کہ اپنے اوپر عائد ہونے والے تمام تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے بچاؤ کے لیے حفاظتی تدابیر اختیار کرتا ہے۔ اگر ایغو معقول انداز میں تشویش کم کرنے میں ناکام ہوتا ہے تو پھر اسے غیر معقول طریقے اپنانے پڑتے ہیں۔ مثلاً یہ خطرے کی نفی کرے گا (ابطان) خطرے کو خارجی حیثیت دے دے گا (اظلال) یا ماضی کی طرف مراجعت کرے گا (رجعت)! ناپختہ ایغو اپنے تحفظ اور بقا کے لیے ان تمام دفاعی حربوں کو اپناتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ایغو کی ناپختگی کا دور گزر جرتا ہے تو یہ دفاعی حربے پھر کیوں برقرار رہتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اسی صورت میں برقرار رہتے ہیں جب کہ ایغو نمو پذیر نہیں ہوتا۔ لیکن ایغو کے غیر نمو پذیر ہونے کی بڑی وجہ بھی یہی دفاعی حربے ہیں جو کہ بیشتر نفسی توانائی کو گرہوں کی صورت میں باندھے رکھتے ہیں۔ یہ ایک ایسا شیطانی چکر (Vicious Circle) ہے جس سے نجات پانا ایغو کے لیے بہت مشکل ثابت ہوتا ہے۔ پھلنے پھولنے کے لیے کمزور ناتواں ایغو کو دفاعی حربوں کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ ہی دفاعی حربوں کی گرہوں میں بیشتر توانائی اُلجھ جاتی ہے جس کے نتیجہ میں نمو پذیری کا عمل رُک جاتا ہے۔ تاہم نمو پذیری کا براہِ راست تعلق عضویاتی اور جسمانی نشوونما پر ہے۔ نظام ادراک، نظام عصبی اور دیگر عضویاتی نظاموں کے ارتقا کے ساتھ ساتھ ایغو بھی پھلتا پھولتا ہے۔ اس طرح یہ اس شیطانی چکر کو توڑ دیتا ہے۔

ایغو کی متوازن نشوونما کے لیے ایسا ماحول ضروری ہے جس میں بچہ اپنی ارتقائی اسٹیج کی مناسبت سے مفید اور کارآمد تجربات حاصل کر سکے۔ طفولیت میں بچہ زیادہ خطرات محسوس کرتا ہے لہٰذا اسے ایسے تجربات حاصل کر سکے۔ طفولیت میں بچہ زیادہ خطرات محسوس کرتا ہے لہٰذا اسے ایسے تجربات سے گزرنا چاہیے جن میں کم خطرات ہوں۔ پھر بچپن، لڑکپن اور عنفوانِ شباب کے لیے ایسے مرحلہ وار تجربات ہونے چاہئیں جن سے گزرتے ہوئے بچہ رفعِ تشویش کے خودساختہ دفاعی حربوں سے چھٹکارا پاتا جائے۔ یہ

تجربات گھریلو تربیت اور مدرسہ کی تعلیمی فضا کا حصہ ہونے چاہئیں۔

(س) استحالۂ جبلت

ایک بچے اور بالغ شخص کے مابین سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ بچہ اپنی توانائی کو چند مخصوص جسمانی و نفسی وظائف میں ہی صرف کر سکتا ہے جب کہ بالغ شخص اپنی حیاتی و نفسی توانائی کو بے شمار طریقوں سے بروئے کار لا سکتا ہے۔ نفسی توانائی کس طرح کردار کی مختلف النوع فعلیتوں کے لاتعداد دھاروں میں بہتی ہے؟ کس طرح بچے کے کردار کی چند ایک سادہ ترین فعلیتیں بے شمار پیچیدہ افعال و اعمال میں منقسم ہو جاتی ہیں؟

اس سوال کا جواب فرائڈ اپنی کتاب ''جبلتیں اور ان کے تغیرات'' (5) میں دیتا ہے۔ گزشتہ صفحات میں ہم یہ دیکھ آئے ہیں کہ فرائڈ تمام جبلتوں کو بالآخر دو بنیادی جبلتوں یعنی جبلتِ حیات اور جبلت مرگ میں مدغم کر دیتا ہے۔ اس کے نزدیک تمام تر نفسی توانائی انہی دو جبلتوں میں اپنا اظہار کرتی ہے۔ نفسی توانائی کا ماخذ و مصدر جسمانی توانائی ہے۔ جسمانی اور حیاتی توانائی جو مختلف نظام ہائے جسم کو چلاتی ہے نامعلوم انداز میں نفسی توانائی کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ جسمانی توانائی میں کئی قسم کی تحریکیں اور انگیختیں پیدا ہوتی رہتی ہے۔ جبلت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی جسمانی انگیخت کی وجہ سے پیدا ہونے والی حالتِ اطناب کا خاتمہ کرے اور عضویہ کو دوبارہ جسمانی اور نفسیاتی طور پر پُرسکون بنا دے۔ جبلتیں جسمانی توانائی کو نفسیاتی اعمال و افعال کی تکمیل میں صَرف کرتی ہیں۔ مثلاً ادراک، تفکر، حافظہ وغیرہ جیسے نفسیاتی وظائف کو جسمانی توانائی سے ہی قوتِ عمل فراہم ہوتی ہے۔ یہ عمل اُلٹ بھی ہوتا ہے، یعنی نفسی توانائی جسمانی توانائی میں تحریک کا باعث بنتی ہے۔ جب ہم سوچ بچار اور منطقی تجزیہ کے بعد کوئی لائحہ عمل اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیتے ہیں تو یہ فیصلہ اعضا و جوارح میں حرکت کا سبب بنتا ہے۔ فکر و خیال کی قوت جسمانی قوت میں کس طرح ڈھل جاتی ہے؟ اس کے بارے میں ہم کچھ نہیں جان سکتے۔

ہم جتنے بھی کام کرتے ہیں ان کے پیچھے کوئی نہ کوئی جبلت قوتِ محرکہ کی حیثیت کارفرما ہوتی ہے۔ ابتدا میں جبلتیں بچے کی محدود فعلیتوں میں اظہار کرتی ہیں۔ لیکن ایغو اور سُپر ایغو کی تشکیل اور تراکمات اور جوابی یا مزاحمتی تراکمات کے وجود پذیر ہونے کے

بعد توانائی مختلف اور متعدد فعلیتوں میں تقسیم ہو جاتی ہے اور انسانی کردار میں پیچیدگی اور تنوع پیدا ہو جاتا ہے۔ بالغ شخص بہت سے ایسے کام کرتا ہے یا ایسے مشغلے اپناتا ہے جن میں متعدد جبلتیں باہم دگر مدغم ہو جاتی ہیں۔ مثلاً فٹ بال کھیلتے ہوئے جہاں جسمانی توانائی کو نکاسی کا راستہ ملتا ہے وہیں جارحیت، مسابقت، حصولِ مقصد جیسے محرکات کی بھی تشفی ہو جاتی ہے۔ جہاں جبلی محرکات کی براہِ راست تسکین ناممکن ہو وہاں ایک قسم کا مفاہمانہ رویہ اُبھرتا ہے۔ مثال کے طور پر جہاں جنسی محرکات کی تسکین ناممکن ہو وہاں محبت و شفقت کے جذبات پیدا ہو جائیں گے۔ جہاں براہِ راست تشدد یا جارحیت ناممکن ہو وہاں محبت و شفقت کے جذبات پیدا ہو جائیں گے۔ جہاں براہِ راست تشدد یا جارحیت ناممکن ہو وہاں تلخ کلامی، مزاح یا تنقید و جرح کا رویہ پیدا ہو گا۔ ان نئے رویوں کو ثانوی محرکات کہا جا سکتا ہے جو کہ اصل جبلی محرکات سے ہی ماخوذ ہوتے ہیں۔ ان ثانوی محرکات کو اصطلاح میں جبلی مشتقات (Instinct Derivatives) کہا جاتا ہے۔ ان میں نفسی توانائی کا پورا تراکم تو نہیں ہوتا، لیکن یہ جزوی تکمیل کا باعث ضرور بنتے ہیں۔

جبلی مشتقات کئی قسم کے ہو سکتے ہیں۔ دراصل جہاں کہیں بھی استبدال یا مفاہمت کا عمل ہو وہیں جبلی مشتقات پیدا ہو جائیں گے۔ وابستگیاں، ترجیحات، دلچسپیاں، ذوق، عادات، عواطف، اقدار اور آدرش تمام جبلی مشتقات کی مختلف صورتیں ہیں۔

جو رویے مفاہمت کے طور پر پیدا ہوتے ہیں، ان میں جبلی توانائی کا مکمل نکاس عمل میں نہیں آتا اور جبلی توانائی کا کافی حصہ بچا رہتا ہے۔ یہ بچی ہوئی توانائی اپنا مقصد مکمل طور پر حاصل نہیں کر سکتی، اس لیے اس رویے میں پختگی آ جاتی ہے۔ مثلاً رومانی محبت جو کہ اصل جنسی جذبے کا بدل ہے، کافی دیر تک قائم رہتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل جبلت مکمل طور پر تسکین پذیر نہیں ہوتی اور بچی ہوئی توانائی رومانی محبت کے تراکم معروض کو مسلسل فراہم ہوتی رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں کی عادتیں، مشاغل اور وابستگیاں عارضی ہونے کے بجائے مستقل ہو جاتی ہیں۔ مثلاً موسیقی سے شغف رکھنے والا اگرچہ اس مشغلے سے مکمل جبلی آسودگی نہیں پا سکتا، تاہم باقی ماندہ توانائی اس شغف کو استقلال و استمرار دیتی ہے۔ امتناعِ مقصد (Aim-Inhibition) کا یہ پہلو ہمیں حبِ وطن، ماں سے

پیار یا کسی تنظیم سے وابستگی کے پیچھے کارفرما نظر آتا ہے۔

جبلت کا استحالہ دفاعی میکانیت کے حوالے سے بھی ناممکن ہے۔ دفاعی میکانیت اس لیے معرض وجود میں آتی ہے کہ تشویش سے بچاؤ کیا جا سکے اور اس سلسلے میں ایغو کی امداد ہو سکے۔ چونکہ بعض حالات مین تشویش یا خطرہ خود جبلت سے بھی پیدا ہو جاتا ہے اس لیے خطرے سے بچنے کے لیے جبلت کے اپنے اندر تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر جبلتِ مرگ اپنی صورت بدلتی ہے اور تخریب اور تشدد کی صورت میں اپنا اظہار کرتی ہے۔

مختصراً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بالغ شخص کے تمام افعال و اعمال کا محرک دو جبلتیں ـــــ جبلتِ مرگ و جبلتِ حیات ـــــ ہیں۔ کسی فعل کی تحریک کی چار صورتیں ہو سکتی ہیں۔ (1) وہ عمل کسی جبلت کا براہِ راست ذریعہ تسکین ہو مثلاً کھانا، سونا، مباشرت وغیرہ، (2) وہ عمل جبلتوں کے امتزاج کے تحت پیدا ہو، (3) وہ عمل محرک قوتوں اور مزاحم قوتوں کے مابین مفاہمت ہو اور (4) یا ایغو کی دفاع میکانیت سے پیدا ہوا ہو۔

(5) جنسی جبلت کا ارتقا

پہلے کئی دفعہ یہ کہا جا چکا ہے کہ فرائڈ نے جنسیت کی اصطلاح کو وسیع ترین مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ وہ جنسی تحریک کو جنسی اعضا تک ہی محدود نہیں کرتا بلکہ اسے جسم کے دیگر حصوں تک پھیلا دیتا ہے۔ جسم کے وہ حصے جہاں جنسی انگیخت پیدا ہو اور ان پر دست درازی (Manipulation) سے احساسِ لذت پیدا ہو شہوت خیز منطقے (Erogenous Zones) کہلاتے ہیں۔ ان حصوں میں چوسنے، سہلانے یا دست درازی سے لذت پیدا ہوتی ہے۔ ان اعضا میں دست درازی سے بالکل ایسے ہی احساسِ لذت پیدا ہوتا ہے جیسے کھجلانے سے خارش زدہ حصے میں احساسِ تسکین پیدا ہوتا ہے۔

شہوت خیز منطقے تین ہیں۔ منہ (Mouth)، مبرز (Anus) اور اعضائے تناسل (Genital Organs)۔ ان تینوں کا تعلق مختلف جسمانی احتیاجات اور ان کی تکمیل سے ہے۔ منہ کا تعلق کھانے سے، مبرز کا اخراج سے اور اعضائے تناسل کا بقائے نسل سے ہے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ شہوت خیز منطقوں سے حاصل ہونے والی

لذت عموماً اصل لذت سے جو کہ جسمانی احتیاج کی تکمیل سے پیدا ہوتی ہے، مختلف ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر انگوٹھا چوسنے کی لذت کھانا کھانے کی لذت سے اور مشت زنی کی لذت مباشرت کی لذت سے مختلف ہوگی۔ اس طرح ضروری نہیں کہ کسی شہوت خیز منطقے کی لذت کا تعلق اصل جسمانی ضرورت مثلاً تغذیہ یا تناسل سے ہو۔

شہوت خیز منطقے نفسیاتی لحاظ سے بہت زیادہ اہمیت رکھتے ہیں کیوں کہ ان کے ذریعہ سے جسمانی احتیاجات اپنا اظہار کرتی ہیں اور ان کی تکمیل لذت کا احساس پیدا کرتی ہے۔ ان کے ذریعہ سے بچہ ابتدائی نفسی تجربات حاصل کرتا ہے اور انہی کی تکمیل یا خیبت سے وہ مختلف توافق و تطابق حاصل کرتا ہے۔ یعنی متعدد نفسیاتی رویے مثلاً دفاع، مماثلت کاری، استبدال، استحالہ، تصعید، مفاہمت وغیرہ انہی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ ذیل میں ہم ان تینوں منطقوں سے تفصیلی بحث کرتے ہیں۔

(الف) شفہی منطقہ

اشیا کو منہ میں ڈالنا اور چبانا یا چوسنا منہ سے حصولِ لذت کے دو بڑے ذرائع ہیں۔ ہونٹوں کے لمس اور منہ کے خلا میں ادخال غذا سے شفہی لذت پیدا ہوتی ہے۔ (اس لذت کو فرائڈ شہوتی لذت کی قسم ہی سمجھتا ہے) شفہی جارحیت کی لذت بعد ازاں جب دانت نکلنے لگتے ہیں پیدا ہوتی ہے۔ اگر بچے کے منہ میں ناگوار یا تکلیف دہ چیز (مثلاً دوائی وغیرہ ڈالی جائے تو وہ اسے تھوک دے گا یا باہر نکال دے گا۔ اس طرح کے تجربہ کے ردِعمل میں بچوہ منہ بند کر لے گا تا کہ تکلیف سے بچ سکے۔ اس کے برعکس بچہ ماں کی چھاتی یا دودھ کی بوتل کو منہ سے لگائے رکھے گا کیوں کہ یہ تجربہ اس کے لیے خوشگوار اور لذت آگیں ہوگا۔ اس طرح منہ پانچ قسم کے وظائف ادا کرتا ہے: (1) ادخال غذا، (2) پکڑے رکھنا، (3) چبانا یا کاٹنا، (4) تھوکنا یا باہر اگلنا، اور (5) منہ بند کر لینا۔ ان میں سے ہر وظیفہ شخصیت کے کسی مخصوص انداز (Trait) کو وضع کرنے میں بُنیادی نمونہ (Prototype) کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شخصیت کی نشوونما میں یہ بُنیادی نمونے مختلف قسم کے ردِعمل بناتے ہیں۔ مثلاً ایک بچہ جو تلخ دوا پلانے کی کوشش پر سختی سے منہ بند کر لیتا ہے ـــــ ایک ردِعمل سیکھتا ہے جو بعد ازاں ایک مستقل رویہ بن

جاتا ہے اور وہ ناخوش گوار حالت میں سختی سے منہ بند کر لینے کا عادی بن جاتا ہے۔ انہی رویوں کا اظہار ہماری زبان و بیان میں بھی ہوتا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ فلاں شخص محبت کا بھوکا ہے یا علم کا پیاسا ہے۔ محبت اور علم ایسی چیزیں نہیں جنہیں کھایا یا پیا جا سکے۔ تاہم وہ مرغوب یا پسندیدہ ہونے کے باعث بھوک پیاس کی علامت بن جاتی ہیں۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ منہ سے اندر لے جانا یا نگلنا طلب اور حصول کی علامت ہے۔ منہ میں رکھنے یا پکڑنے کا عمل رغبت اور ارادے کو ظاہر کرتا ہے۔ کاٹنا یا چبانا تخریب یا جارحیت کا مظہر ہے، تھوکنا کراہیت اور نفرت و حقارت کا اظہار ہے اور منہ بند کر لینا رد کرنے یا انکار کرنے کے مترادف ہے۔ عمر کے جس حصے میں بھی کوئی فرد محبت، نفرت، خبیث یا خطرے کا شکار ہوتا ہے اس کی جسمانی اظہار وہ بچپن کے سیکھے ہوئے انہی ابتدائی نمونوں کی صورت میں کرتا ہے۔ مثال کے طور پر جن بچوں سے قبل از وقت اچانک دودھ چھڑا لیا جاتا ہے ان کے اندر ایک قسم کا احساسِ عدم تحفظ اور احساسِ محرومی پیدا ہو جاتا ہے اور وہ منہ میں چیزوں کو دبائے رکھنے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ منہ میں کسی چیز کو دبانا ایک قسم کا ردِ عمل ہے جو بچہ دودھ چھڑائی (Weaning) کے جُرحی تجربہ سے بچنے کے لیے اختیار کرتا ہے۔ وہ کوئی نہ کوئی چیز منہ میں ڈال کر گویا اپنی اس محرومی اور خبیث کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے جو کہ دودھ چھڑانے سے پیدا ہوتی ہے۔ بعد ازاں یہ اس کا مستقل رویہ بن جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ایسا بچہ جس میں دودھ چھڑانے یا کم خوراک ملنے کی وجہ سے احساس محرومی پیدا ہو جائے بڑا ہو کر لالچ اور اشیا پر قابض ہونے کا رویہ اپنا لے گا۔

بچہ شفہی تسکین کے لیے ماں کا دست نگر ہوتا ہے۔ اس لیے ماں بچے کے کردار کی تعمیر کر سکتی ہے۔ یعنی اچھے کاموں سے خوش ہو کر اسے غذا فراہم کر سکتی ہے اور بُرے کاموں پر اپنا اظہار ناپسندیدگی کرتے ہوئے خوراک کی فراہمی روک سکتی ہے۔ شفہی تسکین کے لیے بچہ بتدریج ماں کے علاوہ خارجی ماحول کا بھی دست نگر بنتا جاتا ہے۔ اس طرح اس کے اندر شفہی تسکین کے حوالے سے ایک قسم کی محتاجی اور دوسروں پر انحصار کرنے کا رویہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ یہ توقع کرنے لگتا ہے کہ اگر اس کا طرزِ عمل اچھا ہو گا تو اس کی ضروریات دوسرے لوگ پوری کر دیں گے اور اگر اس کا طرزِ عمل خراب ہو گا تو اسے محرومی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ایسے شخص کا کردار شفہی انحصار (Oral-depandence) کا

کردار کہلائے گا۔

شفہی انحصار کے حوالے سے ایسا ردِعمل بھی پیدا ہو سکتا ہے جس میں انسان دوسروں پر تکیہ کرنے سے اجتناب کی کوشش کرتا ہے۔ اسے دوسروں کا دست نگر بننے پر شرم محسوس ہوتی ہے لہٰذا وہ یہ کوشش کرتا ہے کہ وہ دوسروں پر انحصار نہ کرے۔ اس کے علاوہ اظلال کا رویہ بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ ایسی صورت میں انسان دوسروں کی مدد کر کے خوش ہوگا۔ ایسا شخص اچھا سماجی کارکن یا کسی فلاحی ادارے کا ممبر بن سکتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی دبی ہوئی شفہی ناآسودگی کسی مشغلے کی صورت میں اظہار کرے۔ مثلاً وہ بوتلیں اکٹھی کرنی شروع کر دے یا لسانیات میں اپنی دلچسپی پیدا کر لے۔

اسی طرح شفہی جارحیت بھی کئی رویے پیدا کرتی ہے جو بچہ چیزوں کو چبانے اور کاٹنے میں خوشی محسوس کرتا ہے بڑا ہو کر ایسا رویہ اپناتا ہے جس سے اس کی شفہی جارحیت تسکین پاتی ہے۔ مثلاً وہ نقاد بن سکتا ہے، وکیل یا صحافی بن سکتا ہے جس کی تلخ باتیں اس کے لیے باعث تسکین ہوتی ہیں۔ ہم زبان و بیان میں بھی ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں جس سے شفہی جارحیت کی تسکین کا پتا چلتا ہے۔ مثلاً کاٹ دار دلائل یا کاٹنے والی تنقید وغیرہ۔ خود تعزیری اور بے بسی میں انسان خود اپنے ہی ہونٹ کاٹنے لگتا ہے۔

''تھوکنے'' یا ''منہ بند کر لینے'' کا طفلی رویہ بھی بڑی عمر میں نفرت یا حقارت کا روپ اختیار کرتا ہے۔ منہ بند کر لینے کا رویہ ایسی شخصیت کو پروان چڑھاتا ہے جو بہت محتاط اور پھونک پھونک کر قدم رکھنے والی ہو۔ زندگی کے مختلف شعبوں میں ہمیں بے شمار ایسے لوگ ملتے ہیں جو ان پانچ شفہی رویوں کی کسی نہ کسی انداز میں نمائندگی کرتے ہیں۔

(ب) مبرزی منطقہ

غذائی نالی (Alimentary Canal) منہ سے شروع ہوتی ہے اور مبرز (Anus) پر جا کر ختم ہوتی ہے۔ مبرز کے ذریعہ سے ہضم شدہ غذا کے باقی ماندہ اجزا خارج ہو جاتے ہیں۔ مبرزی منطقے میں برازی (Fecal) مواد جمع ہو جانے کے باعث اطناب یا کھچاؤ پیدا ہوتا ہے۔ برازی مواد بڑی آنت یا قولون (Colon) کی دیوارون پر بوجھ ڈالتا ہے۔ مبرز کے بالکل پیچھے والونما (VAlve-Like) عضلات ہوتے ہیں،

جنہیں عاصرہ مبرزی (Anal Sphincters) کہا جاتا ہے۔ بڑی آنت سے عاصرہ مبرزی پر بوجھ پڑتا ہے۔ جب یہ بوجھ ایک خاص حد کو پہنچ جاتا ہے تو عاصرہ مبرزی کے عضلات کھل جاتے ہیں اور فاضل مادے عمل ابراز (Defecation) کے تحت خارج ہو جاتے ہیں۔

عمل ابراز کے مکمل ہوتے ہی انسان کو اطناب سے نجات مل جاتی ہے اور اسے احساسِ راحت ہوتا ہے۔ چونکہ حصولِ تسکین کا یہ ایک عمل ہے، اس لیے یہ نفسیاتی رُجحان پیدا ہوتا ہے کہ جسم کے دیگر حصوں میں پیدا ہونے والے اطناب کو بھی اسی عمل کے تحت ختم کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات شدید غم، غصے یا خوف کی حالت میں پیدا ہونے والا اطناب یا کھچاؤ غیرارادی ابراز کا باعث بنتا ہے۔

بچہ بالعموم دو سال کی عمر کے لگ بھگ عملِ ابراز کے غیر ارادی اضطرارات پر قابو حاصل کر لیتا ہے اور رفعِ حاجت کو اپنی مرضی اور ارادے کے تابع کرنا سیکھ لیتا ہے۔ اس سلسلے میں ماں باپ اس کی راہنمائی کرتے ہیں اور اسی رفعِ حاجت کے انداز و اطوار سکھاتے ہیں۔ یہ غالباً بچے کا سماجی آداب سیکھنے اور خود کو نظم و ضبط کا پابند بنانے کا پہلا تجربہ ہوتا ہے۔ اسے عرفِ عام میں ٹائلٹ ٹریننگ (Toilet Training) کہا جاتا ہے۔ ٹآئلٹ ٹریننگ میں بچہ اپنی جبلی ضرورت اور خارجی نظم و ضبط کے مابین پہلی دفعہ ٹکراؤ تصادم کا تجربہ کرتا ہے۔ اپنی اضطراری حاجت اور خارجی پابندی کا یہ تصادم بچے کی شخصیت پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔

مائیں بچوں کو ابرازی حالت پر قابو رکھنے اور مناسب طریقے سے اسے پورا کرنے کی تربیت دیتی ہیں۔ وہ بچوں کو سکھاتی ہیں کہ کس طرح صفائی کا خیال رکھا جاتا ہے۔ ٹائلٹ ٹریننگ کے حوالے سے مائیں جو کچھ بچوں کو سکھاتی ہیں اور جو پابندیاں ان پر عائد کرتی ہیں، ان کا بچے کی نفسیاتی نشوونما پر دوررس اثر پڑتا ہے۔ بچہ یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کی لذت آگیں فعلیت میں کسی طرح کی دخل اندازی کی جائے۔ اگر یہ دخل اندازی بہت سخت اور تعزیر آمیز ہو تو بچہ ارادی طور پر خود کو غلیظ کر لے گا۔ یہ سزا کے خلاف ایک قسم کا احتجاج یا ردِعمل ہے جو کہ اس کی شخصیت میں نفسیاتی پیچیدگی پیدا کر دے گا اور بڑا ہو کر یہ شخص جھگڑالو، لاپروا، غیر ذمہ دار اور فضول خرچ بن جائے گا۔ سخت ٹائلٹ

ٹریننگ کا ایک ردِعمل یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ بچہ بڑا ہو کر صفائی کے خبط میں مبتلا ہو جائے، سخت کنجوس بن جائے یا غلاظت کے خوف کا شکار ہو جائے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ سخت ٹائلٹ ٹریننگ سے بچہ دائمی قبض کا مریض بن جائے۔

اس کے برعکس کوئی ماں بچے کو رفع حاجت کے لیے مجبور کرے اور بچے کے رفع حاجت کرنے پر اس کی خواہ مخواہ تعریف کرے تو بچہ اپنے اس فعل کو نہایت قابل تعریف سمجھنے لگے گا۔ وہ سمجھے گا کہ فضلہ پیدا کر کے اس نے بڑا اچھا کام کیا ہے۔ بڑا ہو کر وہ چیزیں تخلیق کرنے اور اشیا کی صنعت میں دلچسپی لینے لگتا ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ لوگ اس کے اس عمل سے خوش ہوں گے۔ اس کے اس رویہ کی تہہ میں ماں کو خوش کرنے کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ ایسا شخص فیاض، تحفے دینے والا اور بے تحاشا سخاوت کرنے والا بن سکتا ہے۔

تاہم رفعِ حاجت کو بہت زیادہ اہمیت دینے سے بچے میں یہ احساس بھی پیدا ہوسکتا ہے کہ اس نے رفعِ حاجت کر کے کوئی قیمتی شے ضائع کر دی ہے۔ اس سے وہ اضمحلال کا شکار ہوسکتا ہے۔ وہ یہ محسوس کرے گا کہ اس سے کوئی شے چھن گئی ہے۔ اس طرح وہ تشویش کا شکار ہو جائے گا اور رفعِ حاجت سے حتی الامکان گریز کر رویہ اپنائے گا۔ ایسا شخص زندگی میں بہت کفایت شعار، کنجوس اور جزورس بن جاتا ہے۔

رفعِ حاجت سے گریز کا ایک سبب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ برازی مواد انتڑیوں پر ہلکا سا بوجھ ڈالتا ہے جس سے حسِ لذت کو انگیخت ہوتی ہے اور بچے کو جنسی تحریک کا ہلکا سا احساس ہوتا ہے۔ عمل ابراز کے نتیجے میں بچہ اس احساسِ لذت سے محروم ہو جاتا ہے اور اس کے اندر ایک طرح کے خالی پن کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ اگر بچے کا یہ رویہ پختہ ہو جائے تو بڑا ہو کر وہ اشیا جمع کرنے کا شائق بن جائے گا اور اس میں جذبۂ ملکیت حد سے بڑھ جائے گا۔

رفعِ حاجت سے گریز کا ایک ردِعمل احساسِ خطا کی صورت میں بھی ظاہر ہو سکتا ہے۔ ایسی صورت میں وہ شخص جلد از جلد اپنی اشیائے ملکیت سے چھٹکارا پانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اپنا روپیہ پیسا ادھر اُدھر فضول کاموں میں ضائع کرتا پھرتا ہے یا جوئے میں اڑا دیتا ہے۔ احساسِ ملکیت ایسے شخص کے لیے سوہانِ روح بن جاتا ہے اور وہ

اپنی دولت کو لٹا کر ایک طرح کی تسکین پاتا ہے۔

(ج) جنسی منطقہ

جسم کے لذتی منطقوں میں تیسرا اور اہم ترین منطقہ اعضائے تناسل پر مشتمل ہے۔ اعضائے تناسل کو سہلانے یا دست درازی سے جنسی تلذذ پیدا ہوتا ہے۔ بچہ اپنے اعضائے تناسل کو پکڑتا ہے اور انہیں سہلاتا ہے۔ اس طرح اس کے شہوانی جذبات میں انگیخت پیدا ہوتی ہے۔ کیوں کہ اسے گود میں اُٹھانے اور اس کے جسم کے مختلف حصوں کو تھپکنے اور سہلانے سے اس کی جنسیت بیدار ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ بچے کا وہ دور جس میں وہ اپنے اعضائے تناسل سے کھیلتا ہے، ذَکری منزل (Phallic Stage) کہلاتا ہے۔ چونکہ زنانہ اور مردانہ اعضائے تناسل بہ اعتبارِ ساخت ایک دوسرے سے مختلف ہیں اس لیے فرائڈ ان سے علیحدہ علیحدہ بحث کرتا ہے۔

1- مردانہ ذَکری منزل

ذَکری دور کے شروع ہونے سے پہلے بچہ اپنی ماں سے پیار کرتا ہے اور باپ کے ساتھ اپنی مماثلت کاری کرتا ہے۔ جب اس کی جنسی تحریک میں تیزی آتی ہے تو اس کی ماں سے وابستگی بڑھ جاتی ہے اور باپ کے خلاف رقابت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ یہ ایڈی پس صورتِ حال (Oedipus Situation) ہے جس کا تفصیلی ذکر گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔ ایڈی پس اُلجھاؤ یا ایڈی پس تعقید لڑکے کے لیے ایک نیا خطرہ پیدا کرتی ہے۔ اس کی ماں سے جذباتی وابستگی شدید تر ہوتی جاتی ہے اور وہ باپ سے خطرہ محسوس کرنے لگتا ہے۔ اس صورتِ حال میں لڑکے کو یہ خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ اس کا باپ اس کے عضو تناسل کو کاٹ کر پھینک دے گا۔ لڑکے کے اس خوف کو تشویش اخصا (Castration Anxiety) کہا جاتا ہے۔ لڑکے کو جب زنانہ عضو تناسل کو دیکھنے کا اتفاق ہوتا ہے تو اس کے اندیشے کی تصدیق ہو جاتی ہے، کیوں کہ لڑکی مردانہ عضو تناسل سے عاری ہوتی ہے۔ لڑکا یہ سمجھتا ہے کہ لڑکی کو خصی یا آختہ کر دیا گیا ہے۔ وہ یہ سوچتا ہے کہ اگر لڑکی کے ساتھ ایسا ہو سکتا ہے تو میرے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک ممکن ہے۔ تشویش اخصا کے نتیجہ میں لڑکا ماں سے جنسی وابستگی اور باپ سے رقابت کو مبطون کر دیتا ہے اور اسے

لاشعور کے اندھیروں میں دھکیل دیتا ہے۔ اس دفاعی میکانیت سے وہ ایڈی پس اُلجھاؤ کے گرداب سے باہر نکل آتا ہے۔ ایڈی پس اُلجھاؤ کو ختم کرنے میں بعض دوسرے عوامل بھی مدومعاون ثابت ہوتے ہیں۔ مثلاً (1) وہ یہ یقین کر لیتا ہے کہ ماں سے اس کی جنسی وابستگی عملاً کبھی بھی تکمیل پذیر نہیں ہوسکتی، (2) اس حوالے سے ماں بھی اس کی حوصلہ شکنی کرتی ہے، اور (3) وہ خود بھی بالغ اور سمجھ دار ہو جاتا ہے۔ جب لڑکے کی ماں سے وابستگی ختم ہوتی ہے تو وہ اپنی مماثلت کاری یا تو ماں سے کر لے گا یا باپ سے! لڑکا اپنی ماں کو مثالِ اعلیٰ بنا کر اس جیسا بننے کی کوشش کرے گا یا باپ جیسا بننے کی کوشش کرے گا۔ اس کا انحصار اس امر پر ہے کہ اس کی شخصیت میں زنانہ عنصر زیادہ ہے یا مردانہ عنصر! فرائڈ کا خیال تھا کہ ہر شخص کے اندر دوصنفی (Bisexual) رُجحانات پائے جاتے ہیں۔ اگر لڑکے میں زنانہ رُجحان قوی ہے تو ماں کی مثلِ اعلیٰ اپنائے گا اور اگر مردانہ رُجحان غالب ہوئے تو وہ باپ جیسا بنے کی کوشش کرے گا۔ واضح رہے کہ یہ مماثلت کاری وہ تب کرے گا جب ایڈی پس اُلجھاؤ مبطون ہو جائے گا۔ اس ضمن میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ لڑکا خواہ ماں سے اپنی مماثلت کاری کرے یا باپ سے، اسے دونوں طرف سے جزوی جبلی تراکم حاصل ہوگا۔ باپ جیسا بنتا ہے تو باپ کے حوالے سے تراکم کرے گا۔ ماں جیسا بنتا ہے تو ماں بن کر باپ سے جزوی تراکم کرے گا۔ مماثلت کاری سے اسے صرف جزوی تسکین ملتی ہے تاہم اپنی شخصیت کے اندر وہ مردانہ اور زنانہ جنسی رُجحانات کی جس آویزش اور آمیزش کا تجربہ کرتا ہے اس سے اس کی آئندہ تقدیر کا فیصلہ ہوتا ہے۔ یہاں اس بات کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے کہ ماں باپ سے مماثلت کاری سُپر ایغو کی تشکیل میں بھی اہم کردار ادا کرتی ہے۔ ایڈی پس اُلجھاؤ کے معدوم ہونے سے بچے کی شخصیت میں جو خلا پیدا ہوتا ہے، اسے سُپر ایغو پورا کرتا ہے۔ اسی لیے فرائڈ کہتا ہے کہ سُپر ایغو ایڈی پس اُلجھاؤ کا جانشین یا وارث ہے۔

پانچ سال کی عمر کے لگ بھگ ایڈی پس اُلجھاؤ مبطون ہو جاتا ہے۔ بارہ برس کی عمر کو پہنچتے ہوئے لڑکے کے اندر عضویاتی تبدیلیوں کے نتیجہ میں جنسی جبلت بلوغ کو پہنچتی ہے۔ پانچ اور بارہ برس کے درمیانی عرصہ میں لڑکے کی جنسیت اور جارحیت عمومی طور پر دبی رہتی ہے۔ اس عرصے کو فرائڈ دورِ اخفا (Latency Period) کا نام دیتا ہے۔

دَورِ بلوغ کے آغاز کے ساتھ یعنی بارہ برس کی عمر کے بعد، عنفوانِ شباب کی مخصوص جنسی ہیجان خیزی کا آغاز ہو جاتا ہے۔ نئے رُجحانات نئے انداز ہائے تسویہ اور نئے استحالے عمل میں آتے ہیں جن کی بنا پر شخصیت مستحکم اور استوار ہوتی ہے۔

(2) زنانہ ذَکری منزل

لڑکی بھی لڑکے کی طرح حُبِ ذات کے نرگسی رُجحان کے بعد اپنی ماں کو محبت کا مرکز بانتی ہے۔ لیکن لڑکے کی طرح لڑکی میں باپ جیسا بننے کا کوئی رُجحان نہیں پایا جاتا۔ لڑکی کو جب یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ لڑکوں جیسا عضو تناسل نہیں رکھتی تو وہ یہ سمجھتی ہے کہ اسے آختہ کر دیا گیا ہے۔ وہ اپنے اخصا یا آختگی کا ذمہ دار ماں کو سمجھتی ہے۔ اس طرح اس کا تراکمِ مادر کمزور پڑ جاتا ہے۔ مزید برآں اسے ماں کے رویے سے بھی مایوسی ہوتی ہے کیوں کہ اس کی ماں کی محبت اس کے دوسرے بہن بھائیوں میں بٹی ہوتی ہے۔ ماں کی طرف سے مایوس ہونے کے بعد لڑکی باپ کو چاہنے لگتی ہے جو کہ مردانہ عضوِ تناسل رکھتا ہے اور جس سے وہ خود محروم ہوتی ہے۔ لڑکی کی باپ سے محبت میں رشک کے جذبات بھی شامل ہوتے ہیں کیوں کہ اس کے پاس ایک ایسی شے ہوتی ہے جس سے وہ خود محروم ہوتی ہے۔ اسے فرائڈ ''رشکِ عضوِ تناسل'' (Penis Envy) کہتا ہے۔ لڑکے اور لڑکی کی تشویشِ اخصا ایک جیسی ہوتی ہے۔ رشکِ عضوِ تناسل اور تشویش اخصا ایک ہی صورتِ حال یعنی تعقیدِ اخصا (Castration Complex) کے دو پہلو ہیں۔ تعقیدِ ایڈی پس اور تعقیدِ اخصا زنانہ ذَکری منزل کی دو اہم خصوصیات ہیں۔

لڑکے کے نفسیاتی ارتقا میں تعقید اخصا کے پیدا ہونے کی وجہ سے تعقیدِ ایڈی پس ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن لڑکی کے معاملے میں تعقیدِ اخصا ایڈی پس صورتِ حال کو پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے۔ وہ باپ سے محبت کرنے لگتی ہے اور ماں سے نفرت فرائڈ لڑکی کی باپ سے جنسی محبت کو الیکٹرا تعقید (Electra Complex) کہتا ہے۔ اس کے خیال میں الیکٹرا تعقید یا الیکٹرا اُلجھاؤ لڑکیوں میں لڑکوں کی بہ نسبت زیادہ دیر تک قائم رہتا ہے۔ تاہم ذہنی پختگی اور باپ سے جنسی وابستگی کے ناممکن ہونے کے باعث یہ رُجحان کافی حد تک کمزور پڑ جاتا ہے۔ چنانچہ باپ سے جنسی محبت کے بجائے لڑکی اس کی

شخصیت کو اپنا آئیڈیل بنا لیتی ہے۔

لڑکے کی طرح لڑکی میں بھی دو صنفی رُجحانات پائے جاتے ہیں۔ اس لیے اس امر کا دار و مدار کہ لڑکی ماں سے مماثلت کاری کرتی ہے یا باپ سے اس کی شخصیت کے مردانہ یا زنانہ رُجحان کے قوی تر ہونے پر ہوتا ہے۔ اگر لڑکی کی شخصیت میں مردانہ رُجحان غالب ہے تو وہ باپ جیسا بننے کی کوشش کرے گی اور ماہی منڈا (Tom boy) بن جائے گی۔ اگر اس کی شخصیت میں نسوانی عنصر غالب ہے تو وہ ماں جیسا بننے کی کوشش کرے گی۔ تاہم فرائڈ کے نقطہ نظر سے ماں اور باپ دونوں کی شخصیتوں سے بچہ کسی نہ کسی حد تک متاثر ہوتا ہے۔ لڑکی ماں جیسا بننے کی کوشش میں باپ سے وابستگی پیدا کر لیتی ہے۔ اس طرح ماں سے اس کا ٹوٹا ہوا جذباتی رابطہ بحال ہو جاتا ہے۔ اسی طرح باپ سے وابستگی اس کے فقدانِ عضو کی کسی حد تک تلافی کا باعث بن جاتی ہے اور ماں سے اس کا تراکم بھی کسی حد تک قائم رہتا ہے۔ ماں اور باپ کی مثلِ اعلیٰ کو اپنانے کی یہ کوشش لڑکی کے سیرت و کردار کی تعمیر میں اہم عوامل کی حیثیت رکھتی ہیں اور اس کے سُپر ایغو کی تشکیل انہی کے زیر اثر ہوتی ہے۔

لڑکے کی طرح لڑکی کا بھی دَورِ اخفا ہوتا ہے۔ پانچ سے بارہ برس کی عمر کو پہنچتے ہوئے اس کی شخصیت میں لاتعداد ردِعمل اور نفسی تغیرات پیدا ہوتے ہیں۔ لڑکے کی طرح اس کا آغاز شباب بھی جبلتوں اور نفسی قوتوں کی ہیجان خیزی سے ہوتا ہے اور ان سے رفتہ رفتہ عہدہ برآ ہو کر وہ اپنی شخصیت کو استوار کرتی ہے۔

(د) تناسلی جنسیت

شخصیت کی تینوں نموئی ادوار یعنی شفہی، مبرزی اور ذَکری مل کر قبل تناسلی (Pregenitic) دَور کی تشکیل کرتے ہیں۔ یہ دَور بچے کے پہلے پانچ برسوں پر محیط ہوتا ہے اور اس دَور کی سب سے نمایاں خصوصیت اس کی نرگسی نوعیت ہے۔ فرائڈ اس نرگسیت کو ابتدائی نرگسیت کہتا ہے اور اسے ثانوی نرگسیت سے متمیّز کرتا ہے۔ ثانوی نرگسیت فخر و غرور کے ان احساسات سے تشکیل پذیر ہوتی ہے جو اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب ایغو خود کو سُپر ایغو کے آئیڈیل کے مطابق ڈھال لیتا ہے۔ ابتدائی نرگسیت خود

لذتی کے احساس سے پیدا ہوتی ہے۔ اس طرح ابتدائی نرگسیت ایک قسم کی بدنی لذت ہے، جس کا اظہار انگوٹھا چوسنے، پاخانہ روکنے یا مشت زنی سے ہوتا ہے۔

قبل تناسلی دَور میں جنسی جبلت کا مقصد تناسل یا تولید نہیں ہوتا بلکہ صرف اور صرف لذت ہوتا ہے جو بچہ اپنے ہی جنسی منطقوں کے تحسس سے حاصل کرتا ہے۔ ماں اس کے خود لذتی کے عمل میں مدد دیتی ہے۔ اس کا دودھ پلانے، نہلانے دھلانے، لاڈ پیار کرنے کا عمل اس کی ابتدائی نرگسیت کے لیے سامانِ تسکین فراہم کرتا ہے۔

پانچ سے بارہ سال تک کی عمر کا عرصہ دَور اخفا کہلاتا ہے۔ اس دَور میں جنسی جبلت کا رُخ متعین ہو جاتا ہے یعنی جنسی جبلت تولید و تناسل کے حیاتیاتی وظیفہ کی تکمیل کے قابل بن جاتی ہے۔ سنِ بلوغ کو پہنچتے ہوئے لڑکا اور لڑکی صنفِ مخالف کے لیے کشش محسوس کرنا شروع کر دیتے ہیں جس کا منتہیٰ جنسی ملاپ ہوتا ہے۔ اس آخری مرحلہ کو ''تناسلی منزل'' (Genital Stage) کہا جاتا ہے اور اس کی سب سی بڑی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ اس میں انتخابِ معروض (Object-Choice) عمل میں آتا ہے اور نرگسیتی رُجحان ختم ہو جاتا ہے۔ اس دَور میں فرد کے سماجی رویے تشکیل پاتے ہیں، گروہی سرگرمیاں پروان چڑھتی ہیں، شادی اور خانہ آبادی کی منصوبہ سازی ہوتی ہے اور پیشے کے انتخاب یا ذریعۂ معاش کی تلاش کے ساتھ ساتھ بالغانہ ذمہ داریاں اُٹھانے کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ یہ دَور شخصیت کی نمو کا سب سے طویل دَور ہے جو کہ عنفوانِ شباب سے شروع ہو کر پیرانہ سالی تک جاتا ہے۔ پیرانہ سالی میں ایک دفعہ پھر بچپن کے رویوں کی طرف رُجعت ہوتی ہے۔

یہاں یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ تناسلی منزل قبل تناسلی نفسیاتی رویوں کو ختم کر دیتی ہے۔ قبل تناسلی نفسیاتی اور جنسیاتی رویے تناسلی منزل میں نئی شکل و صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ تصعید، استبدال اور استحالہ کی وجہ سے بوس و کنار اور جسمانی لمس کے ابتدائی انداز و اطوار بلوغ کے پختہ اور مستقل جنسیاتی اور نفسیاتی رویوں میں مدغم اور متبدل ہو جاتے ہیں۔

آٹھواں باب

شخصیت کا استحکام

انسانی شخصیت کے پہلے دوعشروں میں زبردست جسمانی ونفسیاتی تغیرات وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ اس دوران وہ نشوونما کے مختلف مراحل طے کرتا ہے۔ خارجی اور داخلی خبث کا مقابلہ کرنے کے مختلف طریقے سیکھتا ہے۔ نامساعد حالات سے تسویہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اپنی ذاتی کمزوریوں پر قابو پانے کی جدوجہد کرتا ہے۔ نئی عادتیں اور نئی مہارتیں سیکھتا ہے۔ زندگی گزارنے کے لیے ضروری علوم وفنون سے آگاہی حاصل کرتا ہے۔ اپنی ناکامیوں اور محرومیوں کی تلافی کرتا ہے اور کامیاب زندگی بسر کرنے کے لیے اپنی نفسیاتی گرہوں کو کھولنے کی سعی وکاوش کرتا ہے۔ بیس برس کی عمر تک انسان بالعموم اپنی شخصیت میں توازن اور استحکام پیدا کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ یہ توازن و استحکام بڑھاپے تک قائم رہتا ہے۔

جب ہم شخصیت کی استوای اور استحکام کی بات کرتے ہیں تو اس سے ہماری یہ مراد نہیں ہوتی کہ شخصیت صرف ایک ہی طرز پر استوار ہوسکتی ہے۔ شخصیت کا استحکام متعدد اور مختلف طریقوں سے عمل میں لایا جا سکتا ہے۔ کوئی مخصوص دفاعی میکانیت مثلاً ابطان، اظلال یا تشکیلِ ردِعمل شخصیت کی استوار کا باعث بن سکتی ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص باپ، ماں، بڑے بھائی یا بہن یا کسی ہیرو کی مثلِ اعلیٰ اپنے سامنے رکھ کر اس جیسا بننے کی کوشش کرے اور اپنی شخصیت میں توازن پیدا کرے۔ شخصیت کا استحکام استبدال، تصعید اور مفاہمت سے بھی حاصل ہوسکتا ہے جس کا کوئی ایک مخصوص انداز نہیں بلکہ لاتعداد طریقے ہیں۔ دراصل جب انسان سنِ بلوغ کو پہنچتا ہے تو تسویہ کے لیے مختلف

اور متعدد طریقے اپناتا ہے۔ ہر شخص کا طریقِ تسویہ دوسروں سے مختلف ہوتا ہے۔ ہر شخص کی دلچسپیاں، مفادا وابستگیاں اور مشاغل دوسروں سے مختلف ہوتے ہیں۔ اپنے طور پر اپنی شخصیت میں توازن، استحکام اور استواری پیدا کر سکتا ہے۔

مستحکم شخصیت سے مراد مثالی شخصیت، بھرپور شخصیت یا ایسی شخصیت نہیں لی جا سکتی جو کہ ماحول سے بہترین تسویہ اور ہم آہنگی حاصل کر چکی ہو۔ شخصیت کی یہ اقسام اگرچہ مستحکم شخصیت کی ہی مختلف انواع ہیں تاہم مستحکم شخصیت کے لیے ضروری ہیں کہ وہ مثالی، بھرپور یا ماحول سے تسویہ یافتہ ہو۔ بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں جو عصابی تثبیت (Neurotim Fixation) یا دُنیاوی معاملات سے علیحدہ ہو کر بھی اپنی شخصیت کو مستحکم بنا سکتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعد شرابی بڑی مستحکم اور استوار زندگی بسر کرتے ہیں، تاہم ان کے بارے میں نہیں کہا جا سکتا کہ انہوں نے اپنے اردگرد کے حالات سے بہترین مطابقت یا تسویہ بھی حاصل کر لیا جا ہے۔ اسی طرح ایسے لوگ بھی مل جاتے ہیں جو شفہی انحصار (Oral Dependence) کے لیے بعض عجیب وغریب عادات کا شکار ہوتے ہیں۔ ان کے بارے میں یہ نہیں کہا سکتا کہ ان میں بالغ نظری یا پختگی پیدا ہو گئی ہے، تاہم وہ مستحکم شخصیت کے مالک ہوتے ہیں۔ کئی ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کی نمو کسی خاص مرحلے پر رُک گئی ہوتی ہے، تاہم وہ بھی کسی نہ کسی طرح اپنے شخصیت میں استحکام پیدا کر لیتے ہیں۔

یہاں قدرتی طور پر ذہن میں یہ تاثر ابھرتا ہے کہ مستحکم شخصیت سے مراد ایسی شخصیت ہے جو دُنیا کی رنگا رنگی، تغیر وتبدل اور نشیب وفراز سے کسی طرح مطابقت پذیر ہو جائے اور اپنے معمولات کو لگے بندھے طریقے سے ادا کرنے کے قابل ہو جائے۔ تاہم یہ تاثر درست نہیں۔ ضروری نہیں کہ ایک مستحکم شخصیت اپنی زندگی میں تنوع اور تبدیلی سے بالکل ہی عاری ہو۔ کوئی شخص ایک طرح کے مشغلے، دلچسپیاں یا وابستگیان چھوڑ کر نئے مشغلے، دلچسپیاں یا وابستگیاں اپنا سکتا ہے۔ تاہم یہ نئے مشغلے اور دلچسپیاں پُرانے مشاغل اور دلچسپیوں کا ہی بدل ہوتے ہیں۔ اسی طرح کوئی شخص استحکام و استواری کے ساتھ ساتھ تنوع اور تبدیلی کو بھی اپنا سکتا ہے۔(2)

یہ سمجھنا بھی درست نہیں کہ مستحکم و استوار شخصیت ایسی ہوتی ہے جو احساسِ محرومی، خبث وتشویش اور اطناب وکشیدگی سے یکسر پاک ہو۔ زندگی کے ہر مرحلے پر ہر

شخص کو اطناب اور اعصابی کھچاؤ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ مستحکم شخصیت ایسی ہوتی ہے جو نامساعد حالات اور زندگی کے نشیب و فراز کا استقلال سے مقابلہ کرنے کی اہل ہو اور اس میں ایسے رویے استوار ہو چکے ہوں جن کی مدد سے وہ اطناب اور کشیدگی پیدا کرنے والے حالات سے بطریق احسن نمٹ سکے۔

ذیل میں ہم فرد کی اسی اہلیت اور قابلیت سے بحث کریں گے۔

نامساعد حالات اور اطناب پیدا کرنے والے اسباب کا مقابلہ کرنے کا بہترین طریق وہی ہے جسے فرائڈ ایغو کے ثانوی عمل (Secondary Process) کا نام دیتا ہے۔ ثانوی عمل حقیقت پسندانہ سوچ، منطقی استدلال اور حل مسائل (Problem Solving) کا تفکر ہے۔ اپنی عمر کے پہلے بیس برس کے دوران ایک شخص اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ نامساعد حالات اور ناسازگار ماحول کی نوعیت کو سمجھ سکے اور عقلی اور منطقی شعور کو بروئے کار لا کر اپنے مسائل کا حل تلاش کر سکے۔ ایغو کی بہترین اور حقیقت پسندانہ کارکردگی کے لیے ضروری ہے کہ اڈ کی سرکش قوتوں اور سُپر ایغو کے اخلاق پرستانہ (Moralistic) تراکمات کے اثر ونفوذ کو کم کرنے کے لیے مزاحمتی تراکمات وضع کیے جائیں۔ یعنی ایک طرف حیوانی توانائی کی اندھا دھند یلغار سے بچنے کے لیے اور دوسری طرف سُپر ایغو کے بلند و بالا آدرشوں کی مثالیت پسندی سے محفوظ رہنے کے لیے ایغو مزاحمتی بند تعمیر کرے۔ اگر ایسا نہ ہو تو ممکن ہے کہ اڈ کی آرزو پرستی اور سُپر ایغو کی اخلاق پرستی اُصول حقیقت کا چہرہ مسخ کر دے۔ اس کے علاوہ یہ امر بھی ضروری ہے کہ ادراک، حافظہ اور قوت فیصلہ جیسے ذہنی اعمال کو توانائی کی فراہمی مسلسل جاری رہے تاکہ ایغو کا ثانوی عمل مستعد، توانا اور فعال رہے۔

ایغو کی فعلیت کو موثر بنانے کے لیے ضروری ہے کہ اڈ کی آوارہ اور آزاد توانائی کو ایغو کی حدود میں پابند اور متعین کر دیا جائے۔ توانائی کی عمومی نوعیت آزاد، سیال اور غیر متعین ہوتی ہے۔ جب اس توانائی کو کسی ایک عمل کے لیے مخصوص اور متعین کر دیا جائے تو اس میں کسی قدر ٹھہراؤ آ جاتا ہے اور اس کا جبلی اضطرار کم ہو جاتا ہے۔ اس طرح توانائی نکاس کے لیے بے چین ہونے کے بجائے پُرسکون ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سوچتے ہوئے انسان جسمانی طور پر فعال نہیں ہوتا۔ توانائی کے مقید اور متعین ہونے کے عمل کو ہم ایک مثال سے واضح کر سکتے ہیں۔ ایک ایسا تن تنہا شخص جو مالی طور پر بہت

خوشحال اور معقول ذرائع آمدن رکھتا ہو، اس وقت تک اپنی دولت ادھر اُدھر ضائع کرتا رہے گا جب تک کہ اس کے سر پر ذمہ داریوں کا بوجھ نہیں پڑتا۔ لیکن شادی اور بچوں کی پیدائش کے بعد اس کے دولت کے مصارف متعین ہو جائیں گے۔ جب تک وہ کنوارا تھا اپنی دولت شراب، جوئے یا دوستوں کے ساتھ سیر وتفریح میں اڑایا کرتا تھا۔ لیکن اب شادی کے بعد وہ اپنے اخراجات کا باقاعدہ تخمینہ بناتا ہے کہ اتنے پیسے انشورنس کے جائیں گے، اتنے گھر کے روزمرہ کے اخراجات کے لیے مختص ہوں گے، اتنی رقم بچوں کی تعلیم اور ان کے کپڑوں کتابوں وغیرہ کے لیے مخصوص ہو گی، علیٰ ہٰذا القیاس۔ اس کی دولت جو پہلے غیر متعین تھی اور اسے پتا نہیں تھا کہ اسے کہاں کہاں خرچ کیا جائے اب مقید اور متعین ہو گئی۔ بالکل اسی طرح نفسی توانائی جو پہلے آزاد اور غیر متعین ہوتی ہے، ایغو کے مستحکم اور استوار اعمال وافعال کے لیے مقید اور متعین ہو جاتی ہے۔

استحکام حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ توانائی کو اظلال، تشکیلِ ردِعمل، ابطان، تثبیت اور رجعت کی میکانیت میں صَرف کیا جائے۔ اگر کوئی شخص اس قابل نہ ہو کہ حقیقت کی معروضی صورتِ حال سے عہدہ برآ ہو سکے تو وہ حقیقت کو اس کی شکل بدل کر اپنی خواہشات اور آدرشوں کے مطابق ڈھال سکتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حقائق کی اصل شکل کو بگاڑنا اور انہیں اپنی خواہشات کا رنگ دینا نہ صرف یہ کہ غیر مناسب ہے بلکہ ایغو کے اُصولِ حقیقت کے لیے بھی مضر ہے، تاہم اس سے یہ فائدہ ضرور ہوتا ہے کہ خبیت اور تشویش کے تباہ کن اثرات سے شخصیت محفوظ رہتی ہے اور اپاہج یا مفلوج ہونے سے بچ جاتی ہے۔ دفاعی میکانیت میں یہ خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں ان میں بھی دراڑ نہ پڑ جائے اور شخصیت ٹوٹ پھوٹ کا شکار نہ ہو جائے۔ لیکن بیس برس کی عمر تک پہنچتے ہوئے دفاعی میکانیت بھی اتنی مضبوط ہو جاتی ہے کہ اس میں اتنی آسانی سے دراڑیں نہیں پڑتیں۔ کئی لوگوں نے مختلف خطروں اور اذیت ناک تجربات کے حوالے سے دفاعی میکانیت بنائی ہوتی ہے جو انہیں اکثر حالات میں ٹوٹ پھوٹ اور ذہنی اختلال سے محفوظ رکھتی ہے۔ دفاعی میکانیت کو اگر توانائی کی فراہمی جاری رہے تو ایغو کے اُصولِ حقیقت کا فریضہ یہ خود سرانجام دے سکتی ہے اور انسان کو تشویش سے بچا سکتی ہے۔

انسان کے سنِ بلوغ کو پہنچتے ہوئے اس کے تصعید اور استبدال کے رویے کافی

حد تک پختہ ہو جاتے ہیں اور استحالہ اور ادغام جبلات کا عمل بھی بڑی حد تک مکمل ہو جاتا ہے۔ بیس سال کے تجربات اسے سمجھوتے کرنا سکھا دیتے ہیں۔ یہ سمجھوتے کسی حد تک تشفی آمیز ہوتے ہیں۔ یعنی اس کی جزوی تسکین کا باعث ہوتے ہیں۔ اگر یہ تشفی آمیز بھی ہوں تو کم ازکم وہ ان کی وجہ سے الم اور اذیت سے بچاؤ کر سکتا ہے۔ یہ سمجھوتے اپنا اظہار مختلف دلچسپیوں، مشغلوں، وابستگیوں اور مفادات وترجیحات میں کرتے ہیں، یہ سمجھوتے نہ صرف انسان کے بڑے اور اہم فیصلوں کے پیچھے کارفرما ہوتے ہیں۔ (مثلاً پیشے کا انتخاب، شادی وغیرہ) بلکہ روزمرہ کے چھوٹے اور نسبتاً کم اہم فیصلوں پر بھی اثرانداز ہوتے ہیں۔ انہی رویوں کی پختگی کی وجہ سے انسان کا طرزِ عمل یکساں اور مستحکم ہو جاتا ہے۔ ان رویوں کی پختگی کا انحصار دو باتوں پر ہوتا ہے: (1) انہیں مختلف جبلتوں کے ادغام کی وجہ سے توانائی کی فراہمی مسلسل جاری رہتی ہے، (2) ان کی وجہ سے توانائی کا مکمل اخراج اور نکاس نہیں ہوتا کیوں کہ مزاحمتی تراکمات اس امر میں حائل ہوتے ہیں۔ مثلاً کسی شخص کا مشغلہ، ذوق یا دلچسپی متعدد جبلتوں کے ادغام کی وجہ سے برقرار رہتی ہے لیکن اس سے اسے مکمل آسودگی کبھی نہیں ملتی۔ رسومات، روایات، عادات واطوار، رواج، تکرار، یکسانی اور نظم و ضبط وغیرہ محرک قوتوں (تراکمات) اور مانع قوتوں (مزاحمتی تراکمات) کے مابین سمجھوتوں کے مظہر ہیں اور شخصیت کو مستحکم اور استوار رکھنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ سُپر ایغو استحکام شخصیت میں کیا کردار ادا کرتا ہے۔ ہم یہ دیکھ آئے ہیں کہ سُپر ایغو کے دو پہلو ہوتے ہیں، ایک ایغو آئیڈیل اور دوسرا ضمیر۔ ایغو آئیڈیل اس وقت تشکیل پذیر ہوتا ہے جب کسی مستحسن رویے کی بُنیاد پر بچے کو جزا دی جاتی ہے۔ بچہ تصعید یا ترفع کے عمل کے تحت اپنا ایغو آئیڈیل وضع کرتا ہے۔ اگر یہ ایغو آئیڈیل آسودگی فراہم کرتا رہے اور تکلیف سے نجات دیتا رہے تو یہ برقرار رہتا ہے ورنہ تصعید کو توانائی فراہم نہیں ہوتی اور یہ ایغو آئیڈیل معدوم ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بچپن کے وہ آئیڈیل جو ذریعہ تسکین بنے رہتے ہیں قائم رہتے ہیں اور جو آئیڈیل یہ فریضہ ادا نہ کرسکیں، وہ معدوم ہو جاتے ہیں۔ اس ضمن میں ہم کہہ سکتے ہیں مذہبی رسومات، سماجی تقریبات، اجتماعی سرگرمیاں، ثقافتی تہوار وغیرہ ایسے مشاغل ہیں جن میں بالغ افراد اپنے

جذبوں کی تصعید یا ترفع کرتے ہیں۔(3)

اسی طرح ضمیر کے امتناعات جو کہ مزاحمتی تراکمات کے حیثیت رکھتے ہیں، سزا کے خوف کی وجہ سے مستحکم ہو جاتے ہیں۔ البتہ وہ امتناعات کمزور پڑ جاتے یا معدوم ہو جاتے ہیں جن کے بارے میں یہ یقین ہو جائے کہ ان کی متعلقہ سزائیں ختم ہو گئی ہیں۔ لوگ اس جگہ گاڑیاں کھڑی کرنے لگتے ہیں جہاں "No Parking" کے بورڈ لگے ہوتے ہیں کیونکہ انہیں یقین ہوتا ہے کہ انہیں اس حکم عدولی کی سزا نہیں ملے گی۔ البتہ وہ امتناعات برقرار رہتے ہیں اور شخصیت میں راسخ ہو جاتے ہیں جن کی خلاف ورزی کی وقتاً فوقتاً سزا ملتی رہتی ہے۔ ایغو کو بامر مجبوری سُپر ایغو کے ان مزاحمتی تراکمات سے سمجھوتا کرنا پڑتا ہے۔ اس سے شخصیت کی استحکام کا ایک تیسرا رویہ اُبھرتا ہے جسے میانہ روی کا نام دیا جا سکتا ہے۔ بالغوں کے رویے نوجوانوں کی بہ نسبت کم اضطراری اور جبلی ہوتے ہیں۔ لیکن اگر کسی بالغ شخص کے سُپر ایغو کے مزاحمتی تراکمات بہت زیادہ مضبوط ہوں تو اس کے رویہ میں میانہ روی کی صلاحیت ختم ہو جائے گی اور اس کا طرزِ عمل غیر لچک دار اور غیر مفاہمانہ ہو جائے گا۔ ایسی شخصیت کا استحکام غیر فطری ہو گا اور وہ شخص بڑی محتاط زندگی گزارے گا اور اپنی ہی ذات کے خول میں بند رہے گا۔

الغرض ہم کہہ سکتے ہیں کہ مستحکم شخصیت وہ ہے جس نے اپنے علم تجربے اور مہارت سے تراکمات اور مزاحمتی تراکمات کے مابین توازن اور اعتدال پیدا کر لیا ہو۔ اس توازن اور اعتدال میں فریقین کا جھکاؤ کبھی جبلی آسودگی کی طرف ہو جاتا ہے، کبھی مزاحمتی قوتوں کی طرف اور کبھی میانہ روی کی طرف! شخصیت کی تعمیر میں اپنا مخصوص کردار ادا کرنے والے عوامل اس امر کا تعین کرتے ہیں کہ کوئی شخص تکمیل خواہش کی طرف جھکاؤ رکھتا ہے، مزاحمتی قوتوں کو اہمیت دیتا ہے یا میانہ روی کو ترجیح دیتا ہے۔ اگر کسی شخصیت میں امتناعات، خطرات، ناکامیوں، محرومیوں، کمزوریوں اور خساروں کا پہلو غالب ہو تو اسی اعتبار سے مانع قوتوں کی مزاحمت شدید تر ہو گی۔ لیکن اگر کسی شخص کی زندگی کامیابیوں، کامرانیوں اور فتوحات سے عبارت ہو تو اس سے تراکمات کی قوتوں کو تقویت ملے گی۔ اکثر حالات میں اگر مزاحمتی تراکمات مضبوط ہوں تو اس سے شخصیت کی اطنابی کیفیت اور اعصابی کشیدگی میں اضافہ ہوتا ہے کیوں کہ ان کی مزاحمت کی وجہ سے توانائی کے بہاؤ کو

نکاسی کا راستہ نہیں ملتا۔ تاہم جب تک دونوں قوتوں کے مابین اعتدال اور توازن برقرار رہے گا، انسان کی شخصیت مستحکم اور استوار رہے گی۔ بعض اوقات یہ توازن بگڑنے لگتا ہے اور انسان کی شخصیت بکھرنے لگتی ہے لیکن اگر رکی ہوئی توانائی کو نکاسی کا راستہ فراہم کر کے توازن کو برقرار کر لیا جائے تو شخصیت دوبارہ استوار ہو جاتی ہے۔

اگر متخاصم جبلی قوتوں کے ٹکراؤ اور تصادم کو رفع کر دیا جائے تو اس سے بھی شخصیت کو استحکام ملتا ہے۔ مثال کے طور پر محبت اور نفرت کے تصادم کو اگر رفع کر دیا جائے تو اس سے شخصیت کے استحکام میں مدد ملتی ہے۔ تصادم کو رفع کرنے کے لیے ضروری ہے کہ یا تو محبت نفرت پر غالب آ جائے یا نفرت محبت پر! یہ بھی ہوسکتا ہے کہ محبت نفرت کے جذبات کو غیر موثر بنا دے۔ تصادم اس طرح بھی رفع ہوسکتا ہے کہ دو متخاصم جذبوں کو باری باری ایک ہدف پر مرکوز کر دیا جائے۔ جہاں محبت کے جذبات شدید ہوں وہاں محبت کے ساتھ ساتھ ناراضگی اور تلخی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شدید محبت کرنے والے محبت کے ساتھ ساتھ لڑتے جھگڑتے بھی رہتے ہیں۔ اس طرح ان کی شخصیتوں میں توازن و اعتدال برقرار رہتا ہے۔

تصادم کے ازالے کا بہترین اور موثر ترین طریقہ جبلتوں کا ادغام واتحاد ہے۔ انسان کوئی ایسا مشغلہ اپنا سکتا ہے جس سے دونوں متخاصم جبلی جذبے تسکین پذیر ہوسکیں۔ مثال کے طور پر ایک بڑے ادارے میں ملازمت کرنے والا شخص دو متضاد جذبے رکھتا ہے۔ ایک طرف وہ تحفظ کا خواہاں ہوتا ہے اور دوسری طرف اپنا اختیار اور آزادی برقرار رکھنا چاہتا ہے۔ اس ادارے کی ملازمت اسے طبی سہولتیں، رہائش، سفر خرچ اور دیگر مالی تحفظات حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ مخصوص اختیارات بھی رکھتا ہے اور محدود پیمانے پر فیصلے بھی کر سکتا ہے۔ اس طرح اس ادارے کی ملازمت میں اس کے دونوں جذبے تسکین پذیر ہو سکتے ہیں۔

مختصراً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شخصیت کے استحکام کے لیے ضروری ہے کہ نفسی توانائی اپنے اظہار و نکاس کے لیے کم و بیش مستقل اور یکساں راستے متعین کرے۔ توانائی کا اطناب جب بھی حد سے تجاوز کرے گا شخصیت کی استواری اور استحکام کو معرضِ خطر میں ڈال دے گا۔

نواں باب

انتقاد

فرائڈ کے نفسیاتی افکار میں متعدد سقم پائے جاتے ہیں۔ اکثر ماہرین نفسیات کے نزدیک فرائڈ کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ وہ انسانی کردار کی تشریح میں انتہا پسندانہ موقف اختیار کرتا ہے۔ ایک مخصوص کلچر کے چند مریضوں کے تجزیہ اور مشاہدے کی بُنیاد پر اس نے فطرت انسانی کی جو عمومی تصویر کشی کی ہے وہ نہ نظری طور پر درست ہے اور نہ عملی طور پر قابل عمل ہے۔ وہ جس فکری روایت سے تعلق رکھتا تھا وہ بُنیادی طور پر نظام بندی (System Building) کی روایت تھی۔ فلاسفہ اور مفکرین کو ایک اساسی وجدان یا بصیرت حاصل ہوتی ہے جس کے حوالے سے وہ حیات و کائنات کے تمام پہلوؤں کی تشریح و توضیح کرتے ہیں۔ افلاطون، ارسطو، ڈیکارٹ، اسپنوزا، کانٹ، ہیگل وغیرہ سب نے بڑے بڑے عظیم الشان نظام ہائے فکر پیش کیے۔ ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ وہ کائنات اور حیات کے ہر رُخ اور ہر پہلو کی تشریح اپنے اساسی اُصول اور اپنی مخصوص منہاج سے کریں۔ اس طرح جہاں وہ کائنات کے اسرار و رموز کی نقاب کشائی کرتے تھے وہیں تہذیب و ثقافت اور خود نفسِ انسانی کے بارے میں اپنی مخصوص تشریحات پیش کرتے تھے۔ ایسی سعی و کاوش کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ کوئی مفکر صرف اپنے اساسی اُصول اور اپنی فکری بصیرت کو ہی سچ سمجھتا ہے اور حیات و کائنات کے ہر پہلو کی تشریح اسی مخصوص حوالے سے کرتا ہے۔ اسپنوزا کے ذہن پر جوہرِ واحد کا تصور چھایا ہوا نظر آتا ہے۔ ہیگل کو ہر جگہ جدلیات کا عمل کارفرما نظر آتا ہے۔ یہ نظام بند مفکرین اپنے اساسی اُصول اور اپنی مخصوص فکری بصیرت سے اتنے متاثر ہوتے تھے کہ

انہیں دوسرے مفکرین کی فکری کاوشوں میں کوئی صداقت نظر نہیں آتی تھی۔

فرائڈ کو بھی انہی فلاسفہ کی طرح نفس انسانی کے بارے میں ایک فکری بصیرت حاصل ہوئی اور اس نے انسانی کردار کے ہر پہلو کو اسی مخصوص نقطہ نظر سے دیکھا۔ وہ اپنے دَور کی اس فکری روایت سے اتنا متاثر تھا کہ اسے بچے کے انگوٹھا چوسنے کے عمل سے لے کر سائنسی تحقیق و کاوش تک میں جنسی جبلت کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے لفظ ''جنس'' کو وسیع ترین مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ لیکن پھر بھی انسانی کردار کے بہت سے ایسے پہلو ہیں جن پر اس کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ ڈراؤنے خواب کسی طرح بھی جنسی تسکین کا باعث نہیں ہو سکتے۔ مزید برآں بعض لوگوں میں اطناب یا کھچاؤ سے نجات حاصل کرنے کا رُجحان نظر نہیں آتا بلکہ وہ سنسنی، کھچاؤ اور اعصابی کشیدگی میں ہی حظ محسوس کرتے ہیں اور اس مقصد کے لیے اپنی زندگی بھی داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ نٹشے کے فوق البشر کی زندگی سنسنی، اطناب اور خطرات سے پُر ہے اور وہ اسی میں اپنی تکمیل اور تسکین کا سامان ڈھونڈتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ انتہا پسندانہ رویہ فرائڈ کے نظام فکر کی بہت بڑی خامی ہے۔ لیکن یہی اس کی سب سے بڑی خوبی بن جاتی ہے بشرطیکہ ہم اس کے نظام فکر کا جائزہ اس نقطہ نظر سے لیں کہ اس نے پہلی دفعہ انسانی ذہن کا منظّم اور مربوط مطالعہ کرنے کی کوشش کی اور اس کی اتھاہ گہرائیوں کو سائنسی فہم کے قالب میں ڈھالنے کی سعی و کاوش کی۔ فرائڈ کی اس خدمت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ اس نے انسانی ذہن کے بارے میں صدیوں سے جمع شدہ متفرق اور متنوع تحقیقات کو ایک واحد اور منضبط نظام فکر میں سمویا اور اپنی مخصوص فکری بصیرت سے فطرتِ انسانی کے مطالعہ کو باقاعدہ ایک سائنس کی حیثیت دی۔ اس کی وضع کردہ اصطلاحات اور منہاج سے آنے والے ماہرین نفسیات نے استفادہ کیا اور اپنے اپنے انداز میں نفسیات کے علم کو فروغ دیا۔ فرائڈ کے نظام فکر کی حیثیت ایک ایسے سرچشمے کی سی ہے جس سے نفسیات کے متعدد دھارے پھوٹتے ہیں۔ فرائڈ کی اصطلاحات اور تعقلات کو نہ صرف بعد میں آنے والے ماہرین نفسیات نے اپنی فنی و علمی بحثوں میں اپنایا، بلکہ عام زبان و بیان میں بھی ان کا استعمال ہونے لگا۔ ایک عام آدمی جو فرائڈ کی علمی کاوشوں کا صحیح فہم رکھتا ہے، اپنی گفتگو میں لاشعور، تحت الشعور،

الغو، ابطان، تکمیلِ خواہش، خوابِ بیداری، تصعید، نروس بریک ڈاؤن وغیرہ جیسی اصطلاحات استعمال کرتا ہے۔

اکثر ماہرین نفسیات کے نزدیک فرائڈ کا نظریۂ خواب سقیم ہے۔ وہ فرائڈ کی اس بات سے تو متفق ہیں کہ خواب انسانی زندگی مین اہم کردار ادا کرتے ہیں تاہم انہیں تکمیلِ خواہش قرار دینا غلط ہے۔ حال ہی میں خوابوں کی نوعیت پر بہت اہم تحقیق کی گئی ہے جس کی رو سے خواب کمپیوٹر کی پروگرامنگ کا کام سرانجام دیتے ہیں۔ اس تحقیق میں ذہن انسانی کو کمپیوٹر قرار دیا گیا ہے۔ سوتے ہوئے ذہن کی از سرنو پروگرامنگ ہوتی ہے اور اگلے دن کے مسائل کے لیے اسے تیار کیا جاتا ہے۔ غیر متعلقہ مواد خوابوں کے ذریعہ سے Dream out ہو جاتا ہے۔ اگر انسان کو سونے دیا جائے اور خواب نہ دیکھنے دیا جائے تو باوجود اس کے کہ وہ نیند پوری کر لے گا، اس کے اندر عصبانی علامات رونما ہونا شروع ہو جائیں گی۔ اور اگر اسے خواب دیکھنے دیا جائے تو یہ علامات ازخود معدوم ہو جائیں گی۔(1)

جدید ماہرینِ نفسیات شخصیت کی نمو کے لیے فرائڈ کے پیش کردہ تین ادوار کو بھی نشانۂ تنقید بناتے ہیں۔ فرائڈ نے عمر کے پانچ سال پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور کہا ہے کہ بعد میں بننے والے نفسیاتی رویوں کا تعین انہی پانچ سالوں میں ہو جاتا ہے۔ یہ بات تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت نہیں ہوتی۔ اکثر لوگ زندگی کے کسی دَور میں بھی اپنی شخصیت کو یکسر نئے قالب میں ڈھال سکتے ہیں۔ مزید برآں شخصیت کی نمو کا عمل مسلسل جاری رہتا ہے اور اس میں تہذیبی اور ثقافتی عوامل بھی فیصلہ کن کردار ادا کرتے ہیں۔ فرائڈ نے اس پہلو کو یکسر نظرانداز کر دیا تھا۔(2)

فرائڈ کی نفس انسانی کے بارے میں یہ رائے کہ اس میں انتہا درجے کی جبریت (Determinism) پائی جاتی ہے، سراسر غلط ہے۔ فرائڈ اپنے دَور کی سائنسی روایت سے اس حد تک متاثر تھا کہ اس نے ذہنی اعمال کو بھی طبعی فطرت کے مظاہر کی طرح علت اور معلول کے پیمانے سے ناپنے کی کوشش کی۔ اپنی تحریروں میں فرائڈ کئی جگہوں پر اس امر کا اعتراف کرتا ہے کہ ہمیں اس بات کا پتا نہیں چل سکتا کہ جسمانی توانائی کس طرح نفسی توانائی میں ڈھلتی ہے۔ وہ اس امر کا بھی اعتراف کرتا ہے کہ ہم فرد

کے آئندہ رویے کے بارے میں حتمی پیش گوئی نہیں کر سکتے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ابتدائی تربیت اور موروثی رجحانات کافی حد تک فرد کی تعمیر شخصیت میں فیصلہ کن کردار ادا کرتے ہیں، لیکن اس حقیقت سے بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ انسان اپنے ارادے کی قوت سے توارث تربیت کے بندھنوں کو توڑ بھی سکتا ہے۔ اس کا ثبوت ہمیں آئیڈیالوجی کی اثر آفرینی سے ملتا ہے۔ لوگ کسی بلند تر مقصد کے حصول کے لیے اور کسی آئیڈیالوجی سے تحریک پا کر ایسے کام کر جاتے ہیں کہ ان کے بارے میں سارے قیافے اور اندازے دھرے رہ جاتے ہیں۔ وجودیت پسندوں (Existentialists) کے وجود مصدقہ (Authentic Existence) کا نظریہ اسی حقیقت کا ترجمان ہے۔

فرائڈ کے نظام فکر کے نقائص و اسقام اپنی جگہ لیکن اس کی عظمت اور اہمت سے کوئی انکار بھی نہیں کر سکتا۔ اس نے تاریخ فکر میں پہلی مرتبہ ذہن انسانی کے بارے میں اساسی نوعیت کے اور اہم ترین سوالات اٹھائے۔ ذہن انسانی کی عمیق ترین تہوں کا سراغ لگانے کے لیے ایک مخصوص منہاج پیش کیا اور متعین اصطلاحات و تعقلات کو وضع کیا۔ بچے کے ذہن سے لے کر تہذیب و ثقافت کی پیچیدگیوں تک کو موضوع تحقیق بنایا۔ یہ فرائڈ ہی ہے کہ جس نے جنسیت کو حیاتیاتی اور نفسیاتی تناظر میں سمجھنے کی کوشش کی۔ اس کے نفسیاتی افکار اتنے ہمہ گیر، متنوع اور سائنٹیفک ہیں کہ آج تک کوئی بھی ماہر نفسیات اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکا۔(3)

آخر میں ہم اس امر کا جائزہ لیتے ہیں کہ فرائڈ کے نفسیاتی افکار نے ادب پر کیا اثرات مرتب کیے ہیں۔ یہ کہنا صحیح نہیں کہ فرائڈ نے لاشعور کو دریافت کیا ہے۔ فرائڈ نے اس بات کی خود تردید کی تھی اور کہا تھا کہ اس سے پہلے شاعر اور فلاسفر لاشعور کو دریافت کر چکے تھے۔ فرائڈ نے صرف لاشعور کو سائنسی انداز میں سمجھنے اور لاشعوری محرکات کی میکانیت کو علمی نقطۂ نظر سے دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ فرائڈ خود اپنے دَور کے ادب سے ایک حد تک متاثر ہوا تھا۔ لیکن وہ کن کن ادیبوں سے متاثر ہوا تھا، اس کے بارے میں ہمارے پاس معقول شہادتیں نہیں۔ تاہم فرائڈ کے نظام فکر نے ادبا اور شعرا پر جو اثرات مرتب کیے اس کے بارے میں کافی کچھ لکھا جا چکا ہے۔ لائنل ٹریلنگ لکھتا ہے:

''یہ یقیناً سچ ہے کہ ادب پر فرائڈ کا اثر بہت زیادہ ہوا ہے۔ اس میں زیادہ اثر ایسا ہے جو بہت ہی بسیط ہے اور اس کی حدود کا تعین کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ کسی نہ کسی شکل میں، عام طور پر چلن کی گمراہی میں یا احمقانہ سادگیوں میں، یہ ہماری زندگیوں میں نفوذ کر گیا ہے اور ہماری ثقافت کا جزو ترکیبی بن گیا ہے، جس کے بارے میں خاص طور پر باخبر ہونا اب مشکل ہے ... ہمیں اس جنسی انقلاب کا ذکر ضرور کرنا چاہیے جس کا تقاضا کیا جا رہا تھا۔ اس انقلاب کا مطالعہ کرنے والوں میں مثال کے طور پر شیلے تھا، شلیگل تھا، جان سینٹ تھا اور بعد ازاں ابسن۔ اس عقیدے کا اظہار کہ فن کی جڑیں جنس میں نہیں ہیں ٹیک (Teik) نے خشک انداز سے اور شوپنہار نے لطیف انداز سے کیا۔ ستاندال کی جنسی عدم توافق کی تحقیق کے سلسلے میں جنسی جذبات کے بارے میں آرا واضح طور پر فرائڈ کی آرا سے قریب تر معلوم ہوتی ہیں ... ان ادیبوں کے نام بے شمار ہیں جو لہجے یا نظریے کے اعتبار سے کسی نہ کسی حد تک فرائڈ کے قریب ہیں، لیکن وہ ادیب نسبتاً کم تعداد میں ہیں جنھوں نے فرائڈ کے تصورات کو سنجیدگی سے استعمال کیا ہے ... ورائیت پسند (Surrealists) کچھ فکری تضاد کے باوصف اپنے ادبی پروگرام کی سائنسی بُنیاد کے لیے فرائڈ پر بھروسا کرتے رہے ہیں۔ کافکا نے اپنے طرزِ عمل کے واضح شعور کے ساتھ فرائڈ کے گناہ اور سزا، خواب اور باپ کے خوف کے نظریات کی چھان بین کی ہے۔ ٹامس مان خود یہ تسلیم کرتا ہے کہ اس کا رجحان طبع فرائڈ کی طرح رہا ہے۔ وہ فرائڈ کے علم الانسان کے بارے میں بہت حساس رہا ہے اور اس کے دیومالائی نظریات اور علمیات کی دل کشی کو خاص طور پر محسوس کرتا ہے۔ جیمس جوائس نے شعور کی بے شمار کیفیات رجعت ہائے

ٹھٹھری الفاظ کے بطور اشیا استعمال، جس کا اشارہ اس چیز سے زیادہ کی طرف ہوتا ہے، تمام اشیا کے باہم دگر پیوست ہونے کے گہرے احساس اور عائلی موضوعات کے استعمال کے ساتھ فرائڈ کے نظریات کو سب سے زیادہ مکمل طور پر اور شعوری طور پر استعمال کیا ہے۔" (4)

مغربی ادب کی طرح فرائڈ کے نفسیاتی و تحلیلی افکار نے اُردو ادب پر بھی گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ فرائڈ ادب اور فن کو اساسی طور پر لاشعوری محرکات کا اظہار سمجھتا ہے۔ اسی لیے ادبا اور شعرا نے لاشعوری قوتوں کو سمجھنے کی کوشش کی اور اپنے اس فہم کو ادب میں منتقل کیا۔ ادب کا تنقید سے گہرا رشتہ ہے۔ تنقید کے راستے فرائڈ کے افکار نے ادب میں جگہ حاصل کی اور نقادوں کو شاعروں اور ادیبوں کی نفسیاتی تنقید کا ایک نیا نقطۂ نظر ملا۔ (5) ڈاکٹر سلیم اختر ادب کی نفسیاتی تنقید کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"نفسیاتی تنقید اور دیگر اسالیب تنقید جیسے رومانی، جمالیاتی، تاثراتی وغیرہ میں بُنیادی فرق یہ ہے کہ ان سب نے ادبی مباحث اور مسائل سے جنم لیا ہے۔ جب کہ ان کے برعکس نفسیاتی تنقید نفسیات کے علم کی ضمنی پیداوار قرار دی جا سکتی ہے۔ فرائڈ نے تحلیل نفسی کا نظریہ بطور خاص ادبی تنقید کے لیے وضع کیا تھا نہ ہی اس نظریہ سے وابستہ مقاصد میں ادبی تنقید سرفہرست رہی ہو گی۔ دراصل بعض نظریات میں آفاقیت اتنی ہوتی ہے کہ وہ اپنے عصر کے ساتھ ساتھ زندگی کے مختلف شعبوں پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ لاشعور کا تصور بھی ایک عالم گیر تصور ثابت ہوا۔ لاشعور انسانی شخصیت کے پیچیدہ عوامل و محرکات کی تفہیم کا ایک ذریعہ تھا، اس لیے ہر وہ چیز جس کا انسانی شخصیت سے دور کا بھی تعلق تھا، لاشعور کے تصور سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ اور ادب تو ہے ہی انسانی شخصیت کا اظہار، بھلا وہ اس سے کیوں متاثر نہ ہوتا۔ نفسیات کے زیر اثر ادب کی پرکھ کے جن معائیر نے جنم لیا انھوں نے نفسیاتی تنقید کا نام

پایا۔"(6)

آخر میں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ فرائڈ کے اس نقطہ نظر کی تردید کی جائے کہ شاعر، ادیب یا فن کار بُنیادی طور پر عصبانیت کا مریض ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ فن کار عام لوگوں سے زیادہ حساس اور ذکی الحس ہوتا ہے اور اس کی شخصیت میں لاشعوری محرکات کی پیچیدگی بھی عام لوگوں سے زیادہ ہوتی ہے، تاہم اسے مریض قرار دینا درست نہیں۔ فن کار تو اپنی نفسیاتی اُلجھنوں کو تخلیق کے عمل سے رفع کرنے اور اپنی خیبت اور محرومی پر بذریعہ تصعید یا ترفع قابو پانے کی اہلیت رکھتا ہے جب کہ عصبانیت کے مریض کو یہ بھی پتا نہیں ہوتا کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔

حواشی

پہلا باب

(1) جب فرائڈ پیدا ہوا تو اس کے سر پر گھنے سیاہ بال تھے۔اس کی نوجوان ماں اسے پیار سے (Little Blakmoore) کہا کرتی تھی۔ گھنے سیاہ بالوں کی وجہ سے فرائڈ کی دایہ نے پیش گوئی کی تھی کہ یہ بچہ ایک دن بہت زیادہ عزت اور شہرت کا مالک بنے گا۔ بعد ازاں اسی طرح کی ایک پیش گوئی ایک نجومی نے بھی کی تھی جس کا ذکر فرائڈ نے اپنی سوانح میں کیا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے لائینل ٹریلنگ اینڈ سٹیون مارکوس، لائف اینڈ ورکس آف سگمنڈ فرائڈ۔ص:34-34

(2) ایضاً (39)

(3) فرائڈ شیکسپیئر سے بالخصوص بہت متاثر تھا۔شیکسپیئر کا مطالعہ اس نے آٹھ برس کی عمر سے ہی شروع کر دیا تھا اور اس کی کتابوں کو ایک بار پڑھنے پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ انہیں بار بار پڑھا۔ عام گفتگو میں وہ موقع محل کی مناسبت سے شیکسپیئر کے حوالے دینے کا بھی عادی تھا۔ایضاً (39)

(4) یہی وہ مشاہدہ تھا جو علم نفسیات کی شروعات کا باعث بنا۔فرائڈ نے ذہنی بیماریوں کے اسباب ب علل عضویاتی یا دماغی خرابی میں ڈھونڈنے کی بجائے انہیں نفسی و ذہنی حالت و واقعات میں تلاش کرنا شروع کر دیا۔

(5) تنویم کا طریقہ شروع شروع میں تو بہت مقبول ہوا لیکن فرائڈ نے جب یہ ثابت کیا کہ اس سے مرض کا تدارک نہیں ہوسکتا تو اسے ترک کر دیا گیا۔عمل تنویم پر تفصیلی مطالعہ کے

لیے ملاحظہ کیجیے: ''ولیم میکڈوگل، این آوٹ لائن آف ابنارمل سائیکالوجی'' باب چہارم و پنجم۔

دوسرا باب

(1) بعض لوگوں نے فرائڈ پر یہ اعتراض کیا تھا کہ وہ ذہنی زندگی کو اس طرح تقسیم کرتا ہے جیسے کوئی جغرافیہ طبقات الارض کو تقسیم کرتا ہے۔ فرائڈ نے اس اعتراض کو اپنی کتاب ''خوابوں کی تعبیر'' میں رد کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ تقسیم صرف افہام و تفہیم کے لیے ہے۔
(2) اُردو میں اڈ کا ترجمہ لاذات، ایغو کا انا اور سُپر ایغو کا فوق الانا کیا جاتا ہے۔ لیکن میرے خیال میں اگر ہم اس ترجمے کی بجائے اڈ، ایغو، اور سُپر ایغو کی اصطلاحات استعمال کریں تو ہمیں فرائڈ کے افکار سمجھنے میں قدرے سہولت رہے گی۔
(3) Sigmund Freud, Lay Anaysis (Eng. tr.1948) p.17
(4) Masih's Freudianism and Religion, Makerspink & Co. Calculta, 1993 p.79
(5) یہ ایک نہایت باریک نکتہ ہے جس سے نفسیات کی راہیں عضویات (Physiologh) سے جدا ہو جاتی ہیں۔ حافظے کی شبیہہ یا تمثال (Memory Image) اور حقیقی صورت ادراک کے مابین اڈ تخصیص و تمیز نہیں کر پاتی۔ اسی لیے خواب، خواہ سوتے میں دیکھے جائیں یا جاگتی آنکھوں، اڈ کے لیے وجہ تسکین ہوتے ہیں۔ اکثر نفسی عوارض اور ذہنی بیماریوں کی وجہ بھی یہی ہے کہ حقیقی دُنیا میں سامانِ تسکین و تکمیل نہ ملنے کے باعث اڈ اپنی ذہنی دُنیا آباد کرتی ہے جو حقیقی ادراک پر نہیں بلکہ حقیقی ادراک کے تمثالات اور شبیہوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ مشہور فارسی شاعر عرفی نے اس نکتے کو یوں بیان کیا ہے:

زنقصِ تشنہ لبی دان، بعقلِ خویش مناز
دلت فریب گر از جلوہ سراب نخورد

یعنی اگر تیرے دل نے جلوۂ سراب سے دھوکا نہیں کھایا تو اسے اپنی عقل کی کرشمہ سازی مت سمجھ بلکہ اپنی تشنہ لبی کا نقص سمجھ۔ اگر تو حقیقتاً پیاسا ہوتا تو تیرا ذہن ریت کو

تیرے سامنے پانی بنا کر پیش کرتا۔ اسی نکتے کو غالب نے اس شعر میں بڑی خوبی سے بیان کیا ہے۔

تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ
جب آنکھ کھل گئی نہ زیاں تھا نہ سود تھا

(6) یونگ کے اجتماعی لاشعور اور نخست مثالوں کے مطالعہ کے لیے دیکھیے "تحلیلی نفسیات" از ڈاکٹر محمد اجمل، نگارشات، لاہور، 1994ء۔

(7) دیکھیے Calvi S. Hall: A primer of Freudian Psychology, p.33

تیسرا باب

(1) جسم و ذہن کے تعلق (Mind-Body Relation) کا مسئلہ تاریخ فکر میں بہت پرانا ہے۔ مثالیت پسند صرف ذہنی قوت پر ہی زور دیتے ہیں اور جسمانی قوت کو نظرانداز کر دیتے ہیں۔ اسی طرح مادیت پسند جسمانی قوت پر اتنا زور دیتے ہیں کہ نفسی قوت کو درخور اعتنا نہیں سمجھتے۔ ڈیکارٹ نے جسم اور ذہن کے تعامل کا ایک نظریہ دیا تھا۔ اس کے علاوہ متعدد فلاسفہ نے اس کی تشریحات پیش کیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ یہ مسئلہ حل نہیں ہو سکا کہ جسمانی قوت کس طرح نفسی قوت میں ڈھل جاتی ہے۔

(2) اگر شیر کا پیٹ بھرا ہوا ہو اور اسے تنگ نہ کیا جائے تو حملہ آور نہیں ہوتا۔ سانپ کا بھی اگر پیٹ بھرا ہو تو اس کی چستی اور تیزی ختم ہو جاتی ہے اور وہ سست ہو جاتا ہے۔ اسی طرح باز سے شکار کھیلنے والے شکاری باز کو اس وقت تک بھوکا رکھتے ہیں جب تک شکار کھیلنا مقصود ہو کیوں کہ ایک دفعہ شکم سیر ہونے کے بعد باز کو لاکھ کسی پرندے پر چھوڑا جائے، وہ اسے شکار نہیں کرے گا بلکہ آرام سے کسی درخت کی ٹہنی پر جا بیٹھے گا۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ عضویہ میں پیدا ہونے والی احتیاج اس وقت تک اسے سرگرم عمل رکھتی ہے جب تک کہ وہ اپنا مقصود و مطلوب نہ پا لے۔ مقصود و مطلوب کے حصول کے بعد توانائی کا اخراج بند ہو جاتا ہے اور عضویہ کی سرگرمیاں معطل ہو جاتی ہیں۔

(3) غالب نے اپنی ایک شعر میں نہایت فن کارانہ اور حکیمانہ انداز میں اس نفسیاتی حقیقت کو بیان کیا ہے۔

ستائش گر ہے زاہد اس قدر، جس باغِ رضواں کا
وہ اک گلدستہ ہے ہم بے خودوں کے طاقِ نسیاں کا

اس شعر میں اڈ اور اس کے ابتدائی عمل کی وہ ساری بحث سمٹ ائی ہے جو فرائڈ نے سائنسی تشریحات کے ساتھ پیش کی ہے۔
(4) گلیلیو جب اپنے دوست سائنس دانوں کو یہ بتاتا تھا کہ اگر دو مختلف وزن رکھنے والی اشیا بلندی سے زمین پر گریں تو وہ یکساں رفتار سے زمین پر گریں گی، تو وہ اس کا مذاق اُڑاتے تھے۔ جب اس نے پیسا ٹاور سے پانچ پونڈ اور ایک پونڈ کے دو گولے پھینک کر اسے عملی طور پر ثابت کر دکھایا تو اس کے رفقائے کار نے پھر بھی اس تجربہ کی صحت سے انکار کر دیا۔ وہ سمجھتے تھے ان کا استاد ارسطو غلط نہیں کہہ سکتا۔ اسی طرح بعض فلاسفہ کے عظیم الشان فکری نظام بھی دراصل ان کے ذاتی میلانات اور تعصبات کا نتیجہ ہیں۔ شوپنہار کی تلخ زندگی کے حالات و واقعات نے اس کی قنوطیت کو جنم دیا اور نٹشے کے عدم تحفظ کا احساس اس کے طاقت کے فلسفے اور ''فوق البشر'' پر منتج ہوا۔
(5) Cathexis کو اُردو اصطلاح میں ''تراکم'' کہا جاتا ہے۔ تراکم کا معنی ہے پشتہ باندھنا، جمع کرنا، ڈھیر لگانا، توانائی کا تراکم عضویاتی سطح پر بھی ہوسکتا ہے اور نفسیاتی سطح پر بھی۔ ٹخنے میں موچ آ جائے تو اسکے اردگرد کا حصہ سوج جائے گا۔ یہ سوجن دراصل حیاتیاتی توانائی کا تراکم ہے۔ ٹخنہ کے ترد گویا حیاتیاتی توانائی کی فیکٹری قائم ہو جاتی ہے تاکہ مضروب عضو کو توانائی فوری طور پر فراہم کی جا سکے۔ اسی طرح بخار کی حالت میں جسم کا درجہ حرارت بڑھ جاتا ہے تاکہ کسی انفیکشن وغیرہ پر قابو پایا جا سکے۔ نفسیاتی اعمال میں بھی اسی طرح تراکم ہوتا ہے۔ جب کسی جبلی تقاضے کو پورا کرنے کے لیے عضویہ مصروفِ عمل ہوتا ہے تو نفسی توانائی کے ڈھیر لگ جاتے ہیں۔ یہ فرائڈ کی اصطلاح میں Object-Cathexis ہے۔ لیکن جبلی تقاضے کے پورے ہوتے ہی یہ تراکم ختم ہو جاتا ہے۔ ''مزاحمتی تراکم'' وہ ہیں جو کہ جبلی ہیجانات اور نفسی توانائی کے سیل بالخیر کے آگے ایغو

رُکاوٹوں اور پشتوں کی صورت میں تعمیر کرتا ہے تاکہ عقلی اور منطقی اعمال میں خلل نہ پڑ سکے۔ Anti-Cathexis کا ترجمہ غیر تراکم یا "ضد تراکم" بھی کیا جاتا ہے۔ مگر ہم نے سیاق وسباق کی مناسبت سے اس کا ترجمہ مزاحمتی تراکم کیا ہے تاکہ اس کی نوعیت واضح ہو سکے۔

چوتھا باب

(1) خوابوں کے حوالے سے فرائڈ نے اپنے مطالعہ و مشاہدہ کو اپنی کتاب "خوابوں کی تعبیر" میں پیش کیا ہے۔ اس سے فرائڈ کے نظریاتی ارتقا کا پتا چلتا ہے اور لاشعوری زندگی کی اہمیت بھی اپنی تمام تر تفصیلات سے سامنے آتی ہے۔
(2) لاشعور کے وجود کے دلائل کا مفصل مطالعہ کرنے کے لیے ملاحظہ ہو "فرائڈ اور اس کی تعلیمات" (ص:44-54) از ڈاکٹر سی اے قادر۔

لاشعور کے وجود کے بارے میں فرائڈ نے جو دلائل پیش کیے ہیں، ان کی تہہ میں اس کا یہ عقیدہ کارفرما ہے کہ کوئی واقعہ بغیر کسی علت کے رونما نہیں ہوتا۔ یہی عقیدہ سائنس کا بھی ہے۔ سارے سائنس دان یہ سمجھتے ہیں کہ کائناتی مظاہر میں جبریت کارفرما ہے اور ہر معلول کی کوئی علت ہوتی ہے۔ اتفاقات وخوارق کی سائنس میں کوئی گنجائش نہیں۔ فرائڈ بھی یہی سمجھتا تھا کہ تحریر وتقریر کی لغزشیں، خواب، طنز و مزاح یا عصبانیت ایسے مظاہر ہیں جن کے اسباب وعلل لاشعور میں پوشیدہ ہیں۔ فرائڈ کے اس نظریہ کو نفسی جبریت (Psychic Determinism) کہا جاتا ہے۔

(3) The History Psychoanalytic Movement New York
Nervous & Mental Disease Publishing Company 1917. ist German 1914 (G.X) P.10.

(4) مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: Wood Worth R.S. Contemporary Schools of Psychology. pp179-181

پانچواں باب

(1) Freud Sigmand Beyond Pleasure Principle. James Strachey, London, Hogarth Press 1961. pp.32-33

(2) اس موضوع پر مزید مطالعہ کے لیے ملاحظہ کیجیے فرائڈ کا مضمون: "Reflection on War and Death" (1915)

(3) جبلتِ مرگ پر سیر حاصل بحث اور اس کے تجزیاتی مطالعہ کے لیے ملاحظہ کیجیے:
Wyss Dieted Depth Psychology tr. Gerald Onn, see "Death Drive and the Topography of the Personality" p.149.

(4) یہ ایک عجیب بات ہے کہ فرائڈ کے آخری دور کے نظریات کو اتنی اہمیت حاصل نہیں ہوئی جتنی کہ ابتدائی دَور کے نظریات کو ہوئی تھی۔ لوگ آج بھی فرائڈ کو لاشعور اور جنسی اُلجھنوں کے حوالے سے ہی جانتے ہیں۔ حالانکہ اس کے پختہ تر اور آخری دور کے نظریات میں زیادہ گہرائی اور سچائی ہے۔ تاہم اس کے بھی مقلدین نے جبلت مرگ اور تشدد پسندی کے حوالے سے اپنے نظریات وضع کیے، مثلاً آٹو فینچل (Otto Fenichel) نے جبلتِ مرگ پر بہت کام کیا۔ مزید مطالعہ کیجے: ووڈ ورتھ، کتاب مذکور ص:187-188۔

(5) تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: ڈائٹر وِس (Dieter Wyss) کتاب مذکور ص114۔

چھٹا باب

(1) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے فرائڈ کی کتاب: InhibitionSymptomandAnxiety

(2) ڈائیٹر وِس کتاب مذکور ص: 114 "The Problem of Anxiety"

(2) بعض نفسیات داں بلند آواز کو خوف کی بُنیادی وجہ قرار دیتے ہیں۔ زوردار آواز، بجلی کی کڑک، بادل کی گرج یا کوئی دھماکہ بچے کے نظامِ عصبی کو مختل کر دیتا ہے۔ چنانچہ بچے کے خوف کا ابتدائی تجربہ بلند آہنگ آواز سے ہوتا ہے۔ بعد میں اس کا تلازم دوسری اشیا کے ساتھ ہوتا ہے۔ مثلاً بچہ بجلی کی کڑک سے ڈرا اور یہ ڈر اندھیرے سے متلازم ہو گیا۔

اس طرح بعد ازاں وہ اندھیرے سے بھی اسی طرح ڈرنے لگا جیسے کہ بجلی کی کڑک سے ڈرا تھا۔

(3) شروع شروع جب مغربی ممالک کے حوالے سے ایسی خبریں چھپتی تھیں کہ فلاں شخص نے کسی بھرے پُرے بازار میں فائرنگ کر کے متعد لوگوں کو ہلاک یا زخمی کر دیا تو لوگ بہت تعجب کرتے تھے لیکن آج کل پاکستان میں ایسے واقعات عام ہو گئے ہیں۔ کبھی خبر آتی ہے کہ بعض نقاب پوش موٹر سائیکل سواروں یا کار میں بیٹھے ہوئے افراد نے بازار میں فائرنگ کر کے کئی لوگوں کو ہلاک اور زخمی کر دیا۔ کبھی خبر آتی ہے کہ مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے نمازیوں پر فائرنگ کر کے کچھ نامعلوم افراد فرار ہو گئے۔ ان واقعات کے مذہبی، سماجی یا سیاسی اسباب ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہ بات ثابت ہے کہ ایسا کرنے والا فرد یا افراد عصابی تشویش کے مریض ہوتے ہیں جو کہ ہراسی ردِعمل کے تحت اس طرح کا جرم کر گزرتے ہیں۔

(4) نفساتی طور پر صحت مند اور نفسیاتی طور پر غیر صحت مند شخص کے مابین واضح خط امتیاز کھینچنا بہت مشکل ہے۔ کوئی شخص بھی ہر حالت میں سو فی صد نارمل نہیں رہ سکتا۔ نارمل اور اَیب نارمل شخص میں عصابنیت کی شدت کا فرق ہوتا ہے۔ نارمل آدمی وہ ہوتا ہے جو تھوڑے بہت انحراف کے بعد راہِ راست پر آ جائے۔ لیکن حالات و تجربات بعض حالت میں اسے بھی عصابنیت کا مریض بنا سکتے ہیں۔ لہٰذا ذہنی صحت مندی اور ذہنی مرض کے مابین بہت خفیف سا فرق رہ جاتا ہے۔

(5) ماسوائے اس صورت میں کہ خود ضمیر خارجی اشخاص (والدین) کا نمائندہ ہو۔

ساتواں باب

(1) Identification کا ترجمہ عموماً ''شناخت تماثل'' یا ''مماثلت'' کیا جاتا ہے۔ لیکن موجودہ سیاق و سباق میں یہ ایک عمل کی حیثیت رکھتا ہے جو کہ فرد دوسروں کے خصائص کو داخلی طور پر اپناتے ہوئے اختیار کرتا ہے۔ اس لیے مماثلت کاری اس مفہوم کے قریب تر محسوس ہوتا ہے۔

(2) یہ ضروری نہیں کہ نرگسیتی مماثلت کاری ہی ہم جنسی میلان کا باعث ہو۔ ہم جنسی

رجحانات کے عوامل اور بھی ہو سکتے ہیں۔ سماجی اور معاشرتی سطح پر جہاں ایسے گروہ وجود میں آتے ہیں، جہاں ایک ہی صنف کے افراد اکٹھے ہوں اور "دگر جنسیتی" (Hetrosexual) ربط ضبط کے مواقع فراہم نہ ہوں ... یا مذہبی اور سماجی اوامر و نواہی ایسے ربط و ضبط میں مانع ہوں وہاں ہم جنسی رُجحان اکثر دیکھنے میں آتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے کئی اور اسباب بھی ممکن ہیں، جن کا تذکرہ یہاں ممکن نہیں۔

(3) مقصدی مماثلت کاری میں بعض اوقات وہ مقصد یا شخص ہی معدوم ہو جاتا ہے جس سے کوئی فرد اپنے آپ کو ملا رہا ہوتا ہے۔ مثلاً باپ فوت ہو جائے تو بچہ داخلی طور پر ان اقدار و اعمال کو اپنائے گا جو کہ باپ کی شخصیت کا حصہ تھیں۔ اسے اصطلاح میں اعدام معروض (Object-Loss) کی مماثلت کاری کہتے ہیں اور شخصیت کی نشوونما میں یہ اہم کردار ادا کرتی ہے۔

(4) یہی وجہ ہے کہ ان اشیا کے مضر ہونے کی تشہیر کے باوجود ان کا خاتمہ نہیں کیا جا سکتا۔ 1920ء میں امریکا میں شراب نوشی پر پابندی لگا دی گئی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ جگہ جگہ شراب فروشی کے خفیہ اڈے (Speakies) وجود میں آ گئے تھے۔ پاکستان میں پہلے افیون، چرس اور بھنگ وغیرہ کے ٹھیکے ہوتے تھے لیکن ان پر پابندی عائد ہونے کے بعد یہاں ہیروئن کی بہت زیادہ کھپت ہونے لگی۔ پاکستان نارکوٹک کنٹرول بورڈ کے ایک سروے کے مطابق ہمارے ملک میں منشیات کے عادی مریضوں کے لیے جو کلینک قائم کیے گئے تھے ان میں 1980 کی دوران میں کوئی مریض بھی داخل نہیں ہوا۔ 1981ء میں ہیروئن کی دو مریض لائے گئے۔ 1982ء میں 54 مریض داخل کیے گئے۔ 1984ء میں ہیروئن کے مریضوں کی تعداد 463 تک پہنچ گئی۔ اس کے بعد پاکستان میں ہیروئن کے عادی افراد کی تعداد لاکھوں میں پہنچ گئی۔ اس کی وجہ وہ پابندیاں تھیں جو پہلے ایران اور پھر ہندوستان اور پاکستان میں چرس اور افیون کی کاشت پر لگائی گئیں۔ ہندوستان کے باشندے قدیم زمانے سے نشہ کے عادی تھے۔ پُرانے زمانے میں وہ سوم رَس پیا کرتے تھے اور بعد ازاں شراب، افیون، چرس، بھنگ وغیرہ کے عادی ہو گئے۔ لیکن ان پر پابندی لگنے سے انہوں نے نشہ کرنا چھوڑا نہیں بلکہ ہیروئن جیسے انتہائی مہلک نشہ کا شکار ہو گئے۔
اس سے پتا چلتا ہے کہ استبدال کی کئی شکلیں ہوتی ہیں۔ صحت مند معاشرے کے لیے

ضروری ہے کی جبلی محرکات کو مدنظر رکھ کر قانون سازی کرے۔

(5) Freud, "Instinct and Their Vicissitudes" in Collected Papers vol. IV pp.60-83

(6) مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: ڈائیٹروس کی کتاب مذکور ص:143۔

آٹھواں باب

(1) اکثر مشاہیر اور نامور راہنماؤں کی زندگی کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ ان کی تثبیت کسی نہ کسی معاملے پر ہو گئی تھی یا وہ کسے خبط میں مبتلا ہو گئے تھے۔ تاہم انہیں غیر مستحکم شخصیات نہیں کہا جا سکتا۔ نفسیاتی عوارض کے باوجود وہ بڑی مضبوط اور مستحکم شخصیتوں کے مالک تھے۔
(2) یہاں یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ بُنیادی نفسیاتی رویہ یکساں رہتا ہے۔ صرف عمل استبدال کے تحت اس کے اہداف بدلتے رہتے ہیں۔ اس نکتے کی تفصیلی تشریح ''استبدال'' کی دفاعی میکانیت کے ضمن میں ہو چکی ہے۔
(3) تہذیب و ثقافت میں ہمیں شخصیت کو مستحکم کرنے کے عوامل ملتے ہیں۔ اس ضمن میں فرائڈ کے نظریات کا مطالعہ کرنے کے لیے ملاحظہ کیجیے: (1) فرائڈ کی کتاب Civilization and Its Discontents اور (2) ڈآئیٹرو کتاب مذکور میں ص 133 کلچر اینڈ ریپریشن۔

نواں باب

(1) تجربات سے ماہرین نفسیات نے یہ ثابت کیا ہے کہ سوتے ہوئے انسان کی دو حالتیں ہوتی ہیں۔ ایک حالت میں اس کی آنکھ کی پتلی ساکن رہتی ہے اور دوسری میں تیزی سے حرکت کرتی ہے۔ جس حالت میں آنکھ کی پتلی ساکن رہتی ہے، اس میں خواب نظر نہیں آتے۔ لیکن جس میں آنکھ کی پتلی تیزی سے گردش کرتی ہے، اس میں خواب نظر آتے ہیں۔ اس حالت کو REM کی حالت یعنی Rapid Eye Movement کی حالت

کہا جاتا ہے۔ تجربات سے یہ بات سامنے آئی کہ اگر کسی شخص کو REM کے وقت اُٹھا دیا جائے تو وہ خواب نہیں دیکھ سکے گا۔ اس طرح اگر کوئی شخص آٹھ میں سے چھ گھنٹے سو لیتا ہے لیکن REM سے محروم رکھا جاتا ہے تو اس عصبانی علامات پیدا ہونی شروع ہو جائیں گی۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے راقم کا مضمون: The Nature of Sleep and Dream Cycles, Daily "Pakistan Times, May 13,1988.

(2) مزید تشریح کے لیے ملاحظہ کیجیے: (1) Elaine Donelson, Personality p.58 اور (2) Greta G. Fein, Child Development, part iv & V.

(3) اس میں کوئی شک نہیں کہ فرائڈ کے بعد متعدد ماہرین نفسیات نے نہایت قابل قدر تحقیقات پیش کیں۔ ان میں یونگ (Jung)، ایڈلر (Adler)، ایرک فرام (Erich Fromm) اور ہارنی (Horney) کے نام سر فہرست ہیں۔ لیکن ان کے نظریات بھی دراصل فرائڈ ہی کے نظام فکر کے کسی نہ کسی پہلو کی توسیع ہیں۔ آج جب کہ شخصیت کا مطالعہ باقاعدہ ایک سائنس کا درجہ حاصل کر چکا ہے، فرائڈ کے بعض تعقلات اور اصطلاحات کو اسی طرح اہمیت حاصل ہے۔ دیکھیے: (1) Wood Worth Opeit pages 193-212 اور (2) Elaine Donelson Opeit Chapt-1۔

(4) ''نئی تنقید'' مرتبہ صدیق کلیم، دیکھیے مضمون ''ادب اور فرائڈ'' ص 171-175

(5) جس طرح ناول اور افسانہ میں لاشعوری محرکات کو فروغ دینے کی تحریک اُبھری، اسی طرح آرٹ کی دُنیا میں سریلزم کی تحریک اسی رجحان کی غماز ہے۔ اُردو ادب میں بھی شاعروں اور ادیبوں کی نفسیاتی تنقید نے فروغ پایا جسے بہت پذیرائی ملی۔ اس ضمن میں مندرجہ ذیل کتب ملاحظہ کیجیے:

(1) جوش کا نفسیاتی مطالعہ اور دوسرے مضامین از ڈاکٹر سلیم اختر۔

(2) شعور اور لاشعور کا شاعر غالب از ڈاکٹر سلیم اختر۔

(3) تخلیق اور لاشعوری محرکات از ڈاکٹر سلیم اختر۔

(6) ملاحظہ کیجیے ڈاکٹر سلیم اختر کی کتاب ''تخلیق اور لاشعوری محرکات'' ص 101۔

فرہنگ

الف

آزاد تلازم	Free Association
آزاد توانائی	Free Energy
ابتدائی عمل	Primary Process
ابطان	Repression
مبطنہ	Repressed
ابراز	Defecation
احساس	Feeling
احیائے جذبات	Emotional Revival
اختناق	Hysteria
اختلال ذہنی	Psychosis
اختصا، آختگی	Castration
اذیت پسند	Sadist
اذیت پسندی	Sadism
اذیت کوش	Masochist
اذیت کوشی	Masochism
ارتکاز	Concentration
ارتقا	Evolution
ارتسام	Impression-trace
ارتسامِ حافظہ	Memory Trace
ارتسامِ حسی	Sense Impression
استقرا	Induction
استقرائی استناج	Inductive Inference

اردو	English
تشویش اخصا	Castration Anxieyt
تعقید اخصا	Castration Complex
ادراک	Perception
ادغام جبلات	Fusion of Instincts
ادعائے ذات	Self-assertion
اڈ، لاذات	Id
اُصولِ حقیقت	Reality Principle
اُصولِ تخریب	Thanatos
اضطرار۔ انعکاس	Reflex
اضلال	Projection
اطناب، تناؤ، کھچاؤ	Tension
اعضائے تناسل	Genital Organs
السر، معدے کا زخم	Ulcer
التباس	Illusion
الیکٹرا اُلجھاؤ	Electra Complex
الیکٹرا تعقید	〃
امتزاج	Fusion
امتناعِ مقصد	Aim-Inhibition
انگیخت	Implusion
انگیختی	Implusive
انشقاقِ ذہنی	Schizopherenia
انتخابِ معروض	Object Choice
انجذابی۔ اثباتی	Positive

اردو	English
استحالہ	Transformation
استبدال	Displacement
اسطور، اساطیر	Myth. Myths
اشاعتِ ذات	Self Propagation
اصولِ عشق	Eros
اُصولِ لذت	Pleasure Principle
بڑی آنت۔ قولون	Colon
بُنیادی نمونہ	Prototype
بے نمو شخصیت	Stunted Personality
ٹھنٹھ شخصیت	〃
پ	
پہلو تہی۔ گریز	Subterfuge
ت	
تجزیہ	Analysis
تجزیہ ذات	Self Analysis
تجس	Sensation
تحلیل نفسی	Psychoanalysis
تسویہ	Adjustment
عدم تسویہ	Maladjustment
تصعید	Sublimation
تعقید۔ اُلجھاؤ	Complex
تفاعل۔ (وظیفہ)	Function
تعامل	Interaction

ایڈی پس اُلجھاؤ	Oedipus Cmplex
ایڈی پس تعقید	،
الغو۔انا	Ego
ایعاز	Suggestion
ب	
بااختیار اشخاص	Authority Figures
برازی	Fecal
براز۔ فضلہ	Feces
تشکل	Gestalt
تنقیہ	Catharsis
تحفظ ذات	Self Preservation
تناسلی دَور	Genital Period
تشویش	Anxiety
تشویش اخلاقی	Moral Anxiety
تشویش عصابی	Neurotic Anxiety
تشویش معروضی	Objective Anxiety
تعمیری	Construction
تخریبی	Destructive
تشدد۔جارحیت	Agression
تشدد۔جارحیت	Agressive
تصادم	Conflict
تصادم محرکات	ConflictofMotives
ترسناکی۔ فوبیا۔ خوف	Phobia

تثبیت	Fixation
تفکر۔(سوچ)	Thinking
تعقل	Concept
تراکم	Cathexis
تراکمات	Cathexes
تراکم(غیر مزاحمتی)	Anti-Cathexis
تراکم معروض	Object Cathexis
جوابی تراکم	Counter Cathexis
تناسلی منزل	Genital Stage
ج	
جبلت	Instinct
جبلتِ مرگ	DeathInstinct(Thanatos)
جبلتِ حیات	Life Instinct (Eros)
جبلی	Instinctive
جنگی عصابنیت	War Neorosis
جرحہ	Trauma
جرحی	Traumatic
جرحی تجربہ	TraumaticExperience
جبلی مشتقات	Instinct Derivatives
چ	
چکرِ بد	Vicious Circle
ح	
حب	Love

تکثیف Condensation

تلافی Compensation

تعقیل Rationalization

تشکیل Formation

تشکیل ردِعمل Re-action Formation

تشویش فراق Separation Anxiety

تغیرات۔ نشیب وفراز Vicissitudes

تعزیر Punishment

تعزیری Punitive

خودتعزیری Self-Punishment

د

دوجذبیت Ambivalance

دوصنفی۔ دوجنسی Bisexual

دوقطبیت Bipolarity

دروں افرازی غدود Endocrine Gland

دلچسپی۔ مفاد Interest

دفاع Defence

دفاعی میکانیت Defence Mechanism

دست درزی Manipulaion

دودھ چھڑائی Weaning

دورِاخفا Latency Period

ذ

ذَکری منزل Phallic Stage

حُبِ ذات Self-Love

خ

خیبت Frustration

خائب Frustrated

خودشہوتی۔ خود لذتی Auto-Erotic

خودشہوتیت۔ خود لذتیت Autoeroticism

خودایذائی Self-Punishment

خودکارنظامِ عصبی Automatic Nervous System

خودحرکتی Locomotion

شفہی لذت Oral Pleasure

شفہی انحصار Oral Dependence

شہوت خیز Erogenous

شہوت خیزمنطقے Erogenous Zones

ص

صبیاتی جنسیت Infantile Sexuality

ع

عصبی نظام Nervous System

عصبی نظام، مرکزی Central Nervous System

عصبی شکستگی Nervous Breakdown

اعصاب زدگی Nervousness

عصابنیت Neurosis

عصابی Neurotic

ر		عصب	Nerve
رجعت	Regression	عصبی انگیخت	Nerve Impulse
س		عصب باصرہ	Nerve, Optic
سلبی	Negative	عوضی۔خیالی	Vicarious
سوما	Soma	غ	
سیال	Fluid	غلوی خلل اعصاب	ObsessionalNeurosis
سُپر ایغو۔فوق الانا	Superego	غذائی نالی	Alimentary Canal
ش		ق	
شبکیہ	Retina	قبل تناسلی	Pregenetic
شبیہہ	Image	ک	
شفہی	Oral	کرداریت	Behaviorism
شفہی دور	Oral Period	کرداریت پسند	Behaviorist
گ		مبرز	Anus
گنٹھیا	Arthritis	مفاہمت	Compromise
ل		ن	
لبیدو	Libido	نخست مثال	Archetype
م		نفسی توانائی	Psychic Energy
موضوع	Subject	نفسی جبریت	PsychicDeterminism
موضوعی	Subjective	نفسی تجزیہ	Psychoanalysis
مضمحل	Depressed	نظریہ ارتقا	TheoryofEvolution
معروض	Object	نفسی حقیقت	Psychic Reality
معروضی	Objective	نرگسیت	Narcissism
مشروط اضطرار	ConditionedReflex	ابتدائی نرگسیت	Primary Narcissim

محرک	Motive
مثل اعلیٰ۔ آدرش	Ideal
مبطنہ	Repressed
مانیائی اضمحلالی جنون	Maniac-DepressivePsychosis
مزاح	Wit
مبرزی	Anal
مبرزی دَور	Anal Period
مادۂ تولید	Germ Plasm
مماثلت،شناخت، مماثلت کاری	Identification
معدومی	Privation
محرومی	Deprivation
مشغلہ	Hobby
مشاغل	Hobbies
مباشرت، مجامعت	Cohabitation
مباشرت محرم	Incest
نرگسی	Narcissist
نرگسیتی مماثلت کاری	NarcissisticIdentification
نفسی جسمانی	Psychosomatic
و	
واہمہ	Phantasy
وجدان	Intution
وجدانی	Intuitive
وقوف	Cognition
وقوفی	Congitive
وہبی، خلقی، پیدائشی	Innate
ہ	
ہم جنسیت	Homosexuality
ہم جنسی	Homosexual
ہراس	Panic
ہراسی ردِعمل	Panic Reaction

کتابیات

ادارہ تالیف وترجمہ
پنجاب یونیورسٹی، لاہور

اصطلاحاتِ نفسیات
مرتب وشائع کردہ
ادارہ تالیف وترجمہ پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۱۹۷۱ء

اردو سائنس بورڈ

فرہنگ اصطلاحات
اردو سائنس بورڈ لاہور، ۱۹۵۸ء

پروفیسر خواجہ غلام صادق	فلسفہ جدید کے خدوخال شعبۂ فلسفہ جامعہ پنجاب، ۱۹۷۸ء
ڈاکٹر سلیم اختر	تخلیق اور لاشعوری محرکات سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۸۳ء
ڈاکٹر سلیم اختر	تخلیق اور لاشعوری محرکات سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۸۳ء
ڈاکٹر سلیم اختر	جوش کا نفسیاتی مطالعہ اور دوسرے مضامین فیروز سنز لمیٹڈ لاہور، سنہ ندارد
ڈاکٹر سلیم اختر	شعور اور لاشعور کا شاعر... غالب فیروز سنز لمیٹڈ لاہور، سنہ ندارد
ڈاکٹر سی اے قادر	فرائڈ اور اس کی تعلیمات مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور، ۱۹۸۷ء
رفیق جعفر	نفسیات کا ارتقاء (دو جلدیں) اظہار سنز لاہور، ۱۹۸۸ء
صدیق کلیم (ترتیب و تدوین)	نئی تنقید سوندھی ٹرانسلیشن سوسائٹی، گورنمنٹ کالج لاہور، ۱۹۴۹ء
علی عباس جلالپوری	جنسیاتی مطالعے خرد افروز جہلم، ۱۹۹۱ء